عرض احوال

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

علامہ اقبال، قائداعظم اور نظریۂ پاکستان

پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے اور اس نظریے کی اساس اسلام ہے، لیکن بدقسمتی سے ہمارے چند دانشور اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں اور روشن خیالی کے نام پر نظریۂ پاکستان کو مسخ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ حالانکہ پاکستان کی بقا اور استحکام صرف اور صرف اسلام سے وابستگی میں ہے۔ اگر ہم پاکستان کی نظریاتی اساس کو مستحکم کر لیں تو پاکستان دنیا کا مضبوط ترین ملک بن سکتا ہے۔

اسلامی ریاست کے قیام کے لیے محمد علی جناح نے ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۸ء تک بھرپور جدوجہد کی جس کی وجہ سے قوم نے انہیں قائداعظم کا خطاب دیا۔ دراصل مسلم لیگ کی جدوجہد میں احیائے اسلام کا مثبت جذبہ علامہ اقبال نے پیدا کیا۔ انہوں نے اپنی انقلابی شاعری کے ذریعے اسلام کے انقلابی فکر کو عام کیا اور خطبہ الٰہ آباد میں فکرِ اسلامی کو انتہائی منظّم، فلسفیانہ اور عمرانیات کے اصولوں کے مطابق مدلل انداز میں پیش کیا۔ انہی کے زیر اثر قائداعظم نے مختلف مواقع پر مجوزہ ریاست پاکستان میں اسلام کے نفاذ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ''مسلم لیگ کا جھنڈا نبی اکرم ﷺ کا جھنڈا ہے۔'' اور ''اسلام کا قانون دنیا کا بہترین قانون ہے''۔ ایک موقع پر فرمایا کہ ''میرا پیغام قرآن ہے''۔ قائداعظم کی کوششوں کی بدولت ہی مسلم لیگ عوامی جماعت بنی۔ قیام پاکستان کے موقع پر ہندو مسلم کشاکش انتہا کو پہنچ گئی۔ تاریخ کی سب سے بڑی ہجرت کے موقع پر ہندوؤں نے مسلمانوں پر مصائب کے پہاڑ توڑ دیے۔ ان حالات میں پاکستان کا قائم ہو جانا خاص مشیت ایزدی کا مظہر تھا۔

قیام پاکستان کے بعد قراردادِ مقاصد پاس کی گئی جس میں اللہ کی حاکمیت کے اقرار سے ملک میں قانونی طور پر خلافت کی بنیاد پڑ گئی۔ لیکن ہمارے بعض دانشور قائداعظم کی ۱۱/اگست ۱۹۴۷ء والی تقریر کے ایک جملے کو بنیاد بنا کر پاکستان کو سیکولر اسٹیٹ بنانے کی باتیں کر رہے ہیں، جو قائداعظم کی تحریک پاکستان کے حوالے سے تمام مساعی کو خاک میں ملانے کے مترادف ہے۔ ۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۷ء تک قائداعظم نے ایک سو (۱۰۰) سے زائد مواقع

پر پاکستان کو اسلامی ریاست بنانے کی بات کی' جبکہ قیام پاکستان کے بعد اپنی وفات تک چالیس سے زیادہ مواقع پر قرآن اور شریعت کو پاکستان کا دستور قرار دیا۔ لیکن ہمارے حکمران اور دانشور بانیٔ پاکستان کے ان فرمودات کو فراموش کر کے نظریۂ پاکستان کے بارے میں خلط مبحث کی صورت پیدا کرتے رہتے ہیں۔ انہی مغالطوں کی وجہ سے ہم نے ملک میں نفاذِ اسلام کے حوالے سے کوئی پیش رفت نہیں کی' جس کے لیے ہم سب مجرم ہیں۔ ہم نے اپنی معیشت کو سودی نظام پر استوار کرتے ہوئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ کا آغاز کیا اور اپنی زراعت جاگیرداروں کے رحم وکرم پر چھوڑ دی' جس سے ملک میں معاشی ناہمواری پیدا ہوئی۔

اس وقت ہمیں دوطرفہ یلغار کا سامنا ہے۔ ایک طرف مغربی فکر کی یلغار ہے اور دوسری طرف بھارت کی ثقافتی یلغار۔ اسلام سے انحراف کے نتیجے میں ہم میں نفاق پیدا ہو گیا۔ اسی کی ایک صورت نفاق باہمی کے نتیجے میں ۱۹۷۱ء میں پاکستان دولخت ہو گیا۔ صوبائی عصبیت کی وجہ سے ہمارے عوام میں بے چینی پائی جاتی ہے۔ اخلاقی سطح پر بھی ہمارا دیوالیہ نکل چکا ہے۔ پاکستان کا دستور منافقت کا پلندہ بن چکا ہے جس میں اسلام موجود ہے لیکن اس سے متعلقہ شقیں غیر مؤثر ہیں۔ اپنی نظریاتی اساس سے رشتہ کاٹ کر آج پاکستان اپنا جواز کھو چکا ہے۔

ہمارے انہی اجتماعی جرائم کا نتیجہ ہے کہ ہم امریکہ کے دباؤ کی وجہ سے انڈیا کے آگے جھکتے چلے جا رہے ہیں۔ لچک کے نام پر پاکستان کو بھارت کا تابع بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ کنفیڈریشن کی باتیں ہو رہی ہیں۔ اگر ہم یہاں اسلام نافذ کر کے اپنی نظریاتی اساس کو مضبوط بنا کر Normalization کی باتیں کرتے تو بہت اچھا ہوتا۔ لیکن اس وقت حالات منفی رخ پر جا رہے ہیں۔ ان حالات میں نجات کی واحد راہ بنیادی نظریے یعنی نفاذِ اسلام کی طرف لوٹنا ہے۔ اس کے لیے ہمیں پہلے اپنی ذات پر اسلام نافذ کرنا ہوگا' پھر مل جُل کر ملک میں نفاذِ اسلام کے لیے جدوجہد کرنا ہوگی۔ صدر مشرف کے لیے ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دل کو اسلام کی طرف پھیر دے۔ ہمارے حکمران پاکستان کے دستور میں موجود اسلامی قوانین کو مؤثر بنانے کے لیے چند دفعات میں ترامیم کر کے اپنی سابقہ کوتاہیوں کا ازالہ کر سکتے ہیں۔ oo

(باقی صفحہ 96 پر) (باقی صفحہ 66 پر)

بقیہ: نبی اکرم ﷺ کی تواضع اور انکساری

سیرت النبی ﷺ

سلسلۂ تقاریر ③

حیاتِ طیبہ کا مکی دَور

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾(التوبۃ:۳۳‘ الصف:۹) ..... صدق اللہ العظیم

سیرت وتاریخ کے موضوع پر سلسلۂ تقاریر کی یہ تیسری کڑی ہے۔ پچھلی دو نشستوں میں ہم نے دو موضوعات ’’منصبِ رسالت اور اُس کا مقصد‘‘ اور ’’تکمیل رسالت اور اُس کے لوازم‘‘ پر گفتگو کی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ نبوت ورسالت کا اصل مقصد خلق خدا کی ہدایت ورہنمائی کے ساتھ ساتھ محاسبۂ اُخروی کے ضمن میں اِتمامِ حجت ہے۔ چنانچہ عدالتِ اُخروی میں جب قوموں اور اُمتوں کا محاسبہ ہوگا تو اُن کی طرف جن رسولوں کو بھیجا گیا ہے‘ سب سے پہلے وہ گواہی دیں گے کہ اے اللہ! تیری ہدایت ورہنمائی اور تیرا پیغام جو ہم تک پہنچا تھا‘ ہم نے بلاکم وکاست قولاً بھی اور عملاً بھی اُن تک پہنچا دیا تھا۔ یہی وہ گواہی ہے جس کی وجہ سے قرآن مجید میں رسولوں کے لیے شاہد اور شہید کا لفظ کثرت سے استعمال ہوا ہے۔

نبی اکرم ﷺ پر نبوت ختم بھی ہوئی اور نبوت ورسالت اتمام اور تکمیل کو بھی پہنچی۔ اس اِتمامِ نبوت اور تکمیلِ رسالت کے دو مظہر بہت اہم ہیں۔ ایک یہ کہ نوعِ انسانی

شعوری اور عقلی اعتبار سے عہدِ طفولیت سے نکل کر اپنے بلوغ کو پہنچ گئی اور گویا اس قابل ہوگئی کہ ابدی اور مکمل ہدایت نامہ اس کو دے دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ چونکہ اُس دَور کا آغاز ہو رہا تھا جس میں اصل اہمیت نظامِ اجتماعی کو حاصل ہو رہی تھی' لہٰذا ضرورت تھی کہ ہدایتِ خداوندی اب صرف انفرادی اخلاق و کردار کے اعتبار سے نہیں بلکہ ایک مکمل اجتماعی نظامِ زندگی کی صورت میں سامنے آئے' جس میں انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں سے انصاف کیا گیا ہو اور کوئی قدر بھی اس میں پامال اور مجروح نہ ہو۔ مساوات' آزادی وحریت کی قیمت (cost) پر نہ ہو اور حریت و آزادی کا یہ نتیجہ نہ نکلے کہ نوعِ انسانی مراعات یافتہ (haves) اور مراعات سے محروم (have-nots) طبقات میں تقسیم ہو کر رہ جائے' کسی جگہ تو ارتکازِ دولت ہو جائے اور کوئی اپنی بنیادی ضروریات تک سے محروم ہو جائے۔ ایک متوازن نظامِ عدل وقسط اب نوعِ انسانی کی سب سے بڑی ضرورت تھی۔ لہٰذا نبی اکرم ﷺ کو یہی دو چیزیں دے کر بھیجا گیا: ایک الہدیٰ یعنی قرآن مجید' جو ابدی ہدایت نامہ قرار دیا گیا اور دوسرے دین حق یعنی عدل وقسط پر مبنی مکمل اجتماعی نظامِ زندگی۔ اور آپ ﷺ کا فرضِ منصبی یہ قرار پایا کہ ایک طرف تو قرآن کی تبلیغ کا حق ادا کر دیں اور دوسری طرف دین حق کو بالفعل قائم کر کے دکھا دیں' تاکہ نوعِ انسانی کے سامنے اس کا ایک نمونہ بھی آ جائے۔ یہ نظامِ عدل وقسط صرف نظری سطح پر پیش نہ کیا جائے' بلکہ اس کو قائم کر کے' چلا کر دکھا دیا جائے۔ یہ گویا اس دَور میں اصل اتمامِ حجت ہے جس کے ضمن میں رسول اللہ ﷺ کا فرضِ منصبی یہ قرار پایا: ﴿ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ﴾۔ اس کے بارے میں گزشتہ نشست کے آخر میں یہ بات عرض کی گئی تھی کہ اس پہلو سے نبی اکرم ﷺ کی تیئیس سالہ جدوجہد ایک مکمل انقلابی جدوجہد ہے۔ اگرچہ اس میں دعوت بھی ہے' تبلیغ بھی ہے' تربیت بھی ہے' تزکیہ بھی ہے' تعمیر اخلاق بھی ہے' تطہیرِ فکر بھی ہے' لیکن اس تیئیس سالہ جدوجہد میں ایک مکمل انقلابی جدوجہد کا نقشہ ملتا ہے۔

نسل انسانی کی عظیم ترین شخصیت

گزشتہ نشست میں مغربی مفکرین میں سے دو کا ذکر کیا گیا تھا۔ اپنے اس سلسلۂ

تقاریر میں مجھے آگے چل کر اس موضوع پر بھی گفتگو کرنی ہے کہ الحمدللہ دَورِ حاضر میں ایک احیائی عمل کا آغاز ہو چکا ہے' ایک بیداری ہے' عروج کی طرف ایک حرکت شروع ہو چکی ہے۔ وہ جو مولانا حالی نے کہا تھا کہ ؎

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے
اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مدّ ہے ہر جزر کے بعد
دریا کا ہمارے جو اترنا دیکھے

وہ بات اب نہیں ہے' دریا اب مدّ کی طرف آ رہا ہے۔ اس کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ اس دَور میں اب مسلمانوں کو اور اسلامی ثقافت کو سمجھنے کی واقعتاً سنجیدہ کوشش ہو رہی ہے۔ اب تک یورپ نے مسلمانوں کو یا اسلام کو سرے سے کوئی اہمیت دی ہی نہیں تھی' استہزاء ہوتا تھا' تمسخر ہوتا تھا' لیکن اب وہ بات نہیں ہے۔ اس کے بہت سے اسباب ہیں' لیکن اس کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ اب نبی اکرم ﷺ کی سیرت کو حالات اور حقائق کے قرینے (context) میں سمجھا جائے۔ چنانچہ حال ہی میں امریکہ میں ایک کتاب شائع ہوئی ہے[1] جس کا نام ہے ''The Hundred'' اور اس کے مصنف ہیں ڈاکٹر مائیکل ہارٹ۔ اس کتاب پر Times اور Newsweek جیسے جرائد میں پورے پورے صفحے کے تبصرے شائع ہوئے ہیں۔ اس کتاب میں معلوم انسانی تاریخ میں سے ایسے ایک سو انسانوں کا انتخاب کر کے ان کی درجہ بندی (gradation) کی گئی ہے جنہوں نے انسانی تمدن کے دھارے کے رُخ کو موڑنے میں مؤثر کردار ادا کیا۔ اور اس درجہ بندی میں اس مصنف نے سرفہرست رکھا ہے محمدؐ رسول اللہ ﷺ کو۔ گویا تسلیم کر لیا گیا ہے کہ نسل انسانی کی عظیم ترین شخصیت ہیں محمد ﷺ۔ وہ شخص خود تو اپنی جگہ پر کوئی سند نہیں ہے' لیکن جو بات اس نے کہی ہے وہ اس کی ذہانت و فطانت کی غمازی کرتی ہے۔ ان لوگوں کے ہاں زندگی کے دو دائرے ہیں' مذہبی دائرہ اور سیکولر دائرہ۔ گویا سیاست و

(۱) واضح رہے کہ یہ خطاب ۱۹۷۸ء کا ہے۔ متذکرہ بالا کتاب اسی سال شائع ہوئی تھی۔

مملکت اور تہذیب وتمدن کا دائرہ اور ہے' جبکہ مذہب کا دائرہ اور ہے۔اس نے تاریخ انسانی کی عظیم ترین شخصیتوں میں محمد عربی ﷺ کو سرفہرست رکھنے کی دلیل یہ دی ہے کہ آپ ﷺ نسل انسانی کی واحد شخصیت ہیں جو زندگی کے دونوں دائروں میں مساوی طور پر کامیاب ہیں۔اس کے اپنے الفاظ ملاحظہ کیجیے:

"My choice of Muhammad to lead the list of the world's most influential persons may surprise some readers and may be questioned by others, but he was the only man in history who was supremely successful on both the religious and secular levels."

چنانچہ میں چاہتا ہوں کہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی انقلابی جدوجہد کا ایک اجمالی نقشہ آپ حضرات کے سامنے رکھوں۔لیکن اس سے قبل انقلاباتِ عالم میں انقلابِ محمدیؐ کا جو مقام ہے اُس پر ایک نگاہ ڈال لیجیے۔

دنیا کا واحد جامع ترین انقلاب

آنحضور ﷺ کا برپا کیا ہوا انقلاب دو اعتبارات سے دنیا کے بڑے بڑے انقلابات سے انتہائی ممیّز ہے۔ایک تو جامعیت کے پہلو سے۔اس لیے کہ دنیا میں جتنے بڑے بڑے انقلابات کا شہرہ ہے وہ سب کے سب جزوی انقلابات تھے۔انقلابِ فرانس کے نتیجے میں صرف ہیئتِ حاکمہ یا طرزِ حکومت بدلا ہے' اخلاق نہیں بدلے' نظریات نہیں بدلے' کردار نہیں بدلا' تہذیب وتمدن اور معاشرت کا نقشہ نہیں بدلا' مذہب نہیں بدلا' عقائد نہیں بدلے' صرف ایک انتظامی ڈھانچہ بدلا ہے۔ظاہر ہے طرزِ حکومت کی تبدیلی محض ایک جزوی انقلاب ہے۔اسی طرح بالشویک ریوولیوشن اگرچہ اپنے اثرات کے اعتبار سے اور اپنی وسعت کے اعتبار سے دنیا کا سب سے بڑا انقلاب شمار ہوتا ہے' لیکن یہاں بھی تجزیہ کیجیے تو ثابت ہوگا کہ وہ بھی جزوی انقلاب ہے۔نظریات میں بنیادی طور پر کوئی تبدیلی نہیں آئی۔پہلے سے موجود مادّہ پرستی (Materialism) نے ایک قدم آگے بڑھا کر جدلی مادیت (Dialectical Materialism) کی شکل اختیار کر لی ہے۔یہ گویا مادیت کا اگلا قدم ہے۔انقلاب کہتے ہیں تبدیلی کو' لیکن

یہاں تبدیلی کوئی نہیں آئی۔ مادیت کی جگہ روحانیت کا آغاز ہوتو وہ انقلاب ہوگا۔ مادیت ہی کے راستے پر آپ ایک قدم اور آگے بڑھ گئے تو اس میں انقلاب کا کوئی پہلو نہیں۔ دوسرے یہ کہ وہاں کیا چیز بدلی؟ بس ایک کوشش کی گئی کہ کسی ملک کے وسائل پیداوار اور ذرائع پیداوار کو اجتماعی ملکیت میں لاکر ایسا انتظام کیا جائے کہ وہاں کے رہنے والے سب کے سب اس سے متمتع ہوں۔ اس مقصد میں کتنی کامیابی ہوئی اور جو ہوئی وہ کس cost پر ہوئی' اس کو چھوڑیے۔ اِس وقت اس انقلاب کا حوالہ صرف اس اعتبار سے دیا گیا ہے کہ وہ بھی ایک جزوی انقلاب تھا۔

اس پس منظر میں اب نبی اکرم ﷺ کے انقلاب کو دیکھئے۔ میں کہا کرتا ہوں کہ یہاں آپ کو خوردبین لگا کر ڈھونڈنا پڑے گا کہ کیا چیز نہیں بدلی! عقائد بدلے' اخلاق بدلے' انفرادی زندگی بدلی' ہیئت اجتماعیہ کا نقشہ بدلا۔ ایک قوم جس میں لکھے پڑھے لوگ گنتی کے تھے وہ قوم علوم وفنون کی موجد اور نوعِ انسانی کی معلم بن گئی۔ وہ قوم جس میں کوئی تنظیم نہ تھی' ایسی منظّم ہوئی کہ نہ صرف میدانِ جنگ میں اُس کی تنظیم بے مثال قرار پائی' بلکہ وہ عبادت بھی کر رہی ہے تو ایک امام کے پیچھے صف بستہ ہوکر۔ گویا زمین بدل گئی' آسمان بدل گیا۔ کوئی چیز ایسی نہیں جسے آپ کہہ سکیں کہ وہی رہ گئی جو پہلے تھی۔ یہ ہے ہمہ گیر انقلاب کہ پوری انسانی تاریخ میں اس کا کوئی متوازی نہیں' اس کی کوئی نظیر نہیں۔

ایک دوسری خصوصیت کے اعتبار سے بھی اس انقلاب کی پوری انسانی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی۔ دنیا میں جو انقلابات واقع ہوتے ہیں تو انقلاب کا فکر دینے والا کوئی اور ہوتا ہے اور اس انقلاب کو برپا کرنے والے کچھ اور لوگ ہوتے ہیں۔ انسانوں میں بالعموم جامعیت نہیں پائی جاتی۔ جس شخص کی فکر اور سوچ کی قوتیں زیادہ فعال (developed) ہوتی ہیں اس میں قوتِ عمل کم ہوتی ہے اور جس کے قوائے عملیہ زیادہ چاق وچوبند ہوتے ہیں عام طور پر اس کی سوچ کی قوتیں اتنی بیدار نہیں ہوتیں۔ لہٰذا انقلابات کا معاملہ ایسا ہی نظر آتا ہے کہ مفکر کوئی اور ہوتا ہے اور عملی راہنما کوئی اور بنتا ہے۔ چنانچہ انقلابِ فرانس کی پشت پر فکر تو والٹیر' روسو اور دوسرے مفکرین کا تھا' لیکن انقلاب بالفعل کچھ اوباش

لوگوں کے ہاتھوں آیا۔ ان مفکرین کا اس کی عملی رہنمائی میں ذرہ برابر بھی دخل نہیں۔ اسی طرح بالشویک انقلاب کا مفکر کارل مارکس (۱۸۱۸ء تا ۱۸۸۳ء) تھا' لیکن اس کی زندگی میں کسی ایک گاؤں میں بھی انقلاب کا سوال پیدا نہیں ہوا۔ یہ تو اس کی موت کے کئی سال بعد ایک بالکل دوسرے ملک میں ایک فعال شخص لینن (۱۸۷۰ء تا ۱۹۲۴ء) کے ہاتھ میں وہ فلسفہ آیا اور اس نے اس کی بنیاد پر انقلاب برپا کر دیا۔

اس پس منظر اور اس context میں نبی اکرم ﷺ کی جدوجہد کا جائزہ لیجیے۔ فردِ واحد سے دعوت کا آغاز ہوا اور کل تیئیس برس میں انقلاب برپا ہو گیا۔ (واضح رہے کہ یہ تیئیس برس قمری حساب سے ہیں' جو شمسی حساب سے بائیس برس بنتے ہیں۔) ایک عرصۂ زندگی (life span) میں ایک انقلابی جدوجہد کا تمام مراحل سے گزر کر کامیابی سے ہمکنار ہو جانا' اس کی کوئی دوسری مثال تاریخ کے دامن میں موجود نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی دُنیوی زندگی بڑی مختصر رہی ہے' محض اکسٹھ برس۔ ہم جو تریسٹھ برس کہتے ہیں وہ قمری اعتبار سے ہیں' جو دراصل اکسٹھ یا ساڑھے اکسٹھ برس بنتے ہیں۔ ان میں سے قبل بعثت کے چالیس سال نکال دیجیے تو کل ساڑھے اکیس' بائیس برس ہیں' جن میں ایک عظیم انقلاب تمام مراحل طے کر کے پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔ پوری نسل انسانی کی تاریخ میں اس کے آس پاس تو کیا' اس کے عشرِ عشیر کی بھی مثال نہیں ملتی۔

اب آیئے اس بات کی طرف جو اس انقلابی جدوجہد کا اہم ترین پہلو ہے' اور جس کی طرف میں پہلے اشارہ کر چکا ہوں' کہ یہ پوری جدوجہد زمین پر ہوئی ہے' قدم بقدم چل کر ہوئی ہے' خالص انسانی سطح (human level) پر ہوئی ہے' اور دنیا میں اللہ تعالیٰ کے قواعد وضوابط اور اسباب وعلل کا جو سلسلہ چل رہا ہے' ان کے تحت ہوئی ہے۔ اور اس کو یوں سمجھئے کہ یہ بھی درحقیقت اتمامِ حجت کا ایک پہلو ہے۔ وہ نظام قائم کر کے دکھا دینا اتمامِ حجت ہے پوری نوعِ انسانی پر' اور اس کو ایک عام انسانی جدوجہد کی سطح پر' تمام موانع ومشکلات کے باوجود قائم کر کے دکھانا' ابتدائی دور میں ناکامیوں کا طرح طرح سے سامنا کر کے اور مصائب ومشکلات کو جھیل کر قائم کر کے دکھانا' یہ درحقیقت حجت ہے

مجھ پر‘ آپ پر اور پوری اُمت محمد (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) پر۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو ہم یہ کہہ سکتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ نے تو یہ کام کر دیا‘ اس لیے کہ آپؐ کو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خصوصیات حاصل تھیں کہ آپؐ کے تو پاؤں میں کانٹا بھی نہیں چبھا‘ آپؐ کی تو نکسیر تک نہیں پھوٹی‘ آپؐ کے لیے تو کہیں کوئی دقت اور مشکل پیش آئی ہی نہیں‘ جبکہ ہمارا معاملہ اور ہے۔ ہم سے یہ مطالبہ کیسے کیا جا سکتا ہے کہ ہم بھی اللہ کے دین کو قائم کریں جیسے کہ محمدٌ رسول اللہ ﷺ نے قائم کیا۔ چنانچہ یہ اتمامِ حجت ہے اُمتِ محمد ﷺ پر۔

درشبستانِ حرا خلوت گزید

اب ذرا اس بائیس سالہ انقلابی جدوجہد کا طائرانہ نظر سے ایک جائزہ لیجیے۔ ہمارا معاملہ درحقیقت رسول اللہ ﷺ سے دُوری اور بُعد کا ہے۔ عشق کے تمام تر دعووں کے باوجود اگر آپ اپنے گریبان میں جھانکیں کہ ہمیں آنحضور ﷺ سے کتنا تعلق ہے تو اس کے لیے ایک بڑا آسان سا پیمانہ یہ ہے کہ ذرا سوچیے اس تیئیس سالہ یا بائیس سالہ جدوجہد کے بائیس واقعات بھی آپ کو معلوم ہیں؟ ذرا چشمِ تصور سے آغازِ کار کو ذہن میں لائیے۔ اللہ کا ایک بندہ جو اپنی ذاتی سیرت و کردار کے اعتبار سے انسانیت کی معراج پر فائز ہے‘ اُس نے اب تک جو زندگی بسر کی ہے وہ ایک بھرپور انسانی زندگی ہے‘ کہیں کسی خانقاہ میں زندگی بسر نہیں کی‘ کہیں کسی پہاڑ کی کھوہ میں نہیں رہے‘ چالیس برس بھرپور زندگی گزاری ہے‘ کاروبار کیا ہے تو اعلیٰ ترین سطح پر کیا ہے‘ امپورٹ ایکسپورٹ کا کاروبار ہے‘ تجارتی قافلے شام جا رہے ہیں‘ وہاں سے آ رہے ہیں‘ اور اس میدان میں اپنی امانت و دیانت کا لوہا منوایا ہے۔ شادی کی ہے‘ بھرپور عائلی زندگی بسر کی ہے‘ صاحبِ اولاد ہیں۔ لیکن چالیس برس کی عمر کے آس پاس وقت آیا ہے تو طبیعت میں یک دم خلوت پسندی کا غلبہ ہو گیا ہے‘ خلوت گزینی محبوب ہو گئی ہے‘ غارِ حرا میں کئی کئی دن مراقبہ ہو رہا ہے۔ اس کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے:

ثُمَّ حُبِّبَ اِلَیْہِ الْخَلَاءُ فَکَانَ یَخْلُوْ بِغَارِ حِرَاءٍ یَتَحَنَّثُ فِیْہِ(۱)

(۱) صحیح البخاری‘ کتاب بدء الوحی‘ باب بدء الوحی۔ وصحیح مسلم‘ کتاب الایمان‘ باب بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ۔

''تحنث'' عبادت کو کہتے ہیں۔ یہ عبادت کیا تھی؟ شارحین کہتے ہیں: **کان عبادته التفکر والاعتبار** یعنی آپ ﷺ کی یہ عبادت غور وفکر اور سوچ بچار تھی۔

سورۃ الشوریٰ میں نقشہ کھینچا گیا ہے:

﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِنَا﴾ (آیت ۵۲)

''اور (اے نبیؐ!) اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے ایک روح آپ کی طرف وحی کی ہے۔ آپ کو کچھ پتا نہ تھا کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا ہوتا ہے' مگر اُس روح کو ہم نے ایک روشنی بنا دیا جس سے ہم راہ دکھاتے ہیں اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں''۔

آپ ﷺ کو معلوم نہ تھا کہ کتاب کسے کہتے ہیں' آپؐ تو اُمی تھے' کسی سابقہ آسمانی کتاب سے آپؐ کا ربط وتعلق نہیں تھا' کسی آسمانی شریعت سے آپؐ واقف نہ تھے۔ ایمان اجمالاً تو نبی کو پیدائشی طور پر حاصل ہوتا ہے' لیکن تفصیلاً ایمان کیا ہے' یہ ابھی آپؐ کو معلوم نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سب پردے اٹھائے' از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿وَوَجَدَكَ ضَاۗلًّا فَهَدٰى﴾ (الضُّحیٰ)

''اور (آپ کے ربّ نے) آپؐ کو تلاشِ حقیقت میں سرگرداں پایا تو آپ کو راہ دکھائی''۔

غارِ حرا میں حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور وحی کا آغاز ہوا:

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۭ﴾ (العلق)

متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد ایک وقت گزرا ہے جس میں آنحضور ﷺ کی تعلیم ہوئی ہے' اگرچہ ہم کو اس کی تفصیلات نہیں ملتیں۔ آپؐ کی تعلیم ہماری سطح کی تعلیم نہیں ہے۔ الف' با' تا والی تعلیم نہیں ہے' لیکن تعلیم ہوئی ضرور ہے۔ قرآن حکیم کے الفاظ ہیں: ﴿عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى﴾ (النجم) ''اُسے زبردست قوت والے نے تعلیم دی ہے''

’’تکبیر ربّ‘‘ کا حکم

پہلی وحی کے چند ماہ بعد دوسری وحی نازل ہوئی:

﴿یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ ۝﴾ (المدثر)

’’اے لحاف میں لپٹ کر لیٹنے والے (ﷺ)! اٹھو اور خبردار کرو۔ اور اپنے ربّ کی بڑائی کا اعلان کرو!‘‘

اب کمربستہ ہو جاؤ‘ کھڑے ہو جاؤ‘ اپنی عملی جدوجہد کا آغاز کر دو۔ اور اس کے لیے آپؐ کو دو کام تفویض کر دیے گئے‘ ایک انذار اور دوسرا تکبیرِ ربّ۔ یعنی لوگوں کو غفلت کے نتائج سے آگاہ کیجیے۔ خدا سے دوری کا جو انجام ہونے والا ہے‘ اس سے خبردار کیجیے۔ آخرت کی منزل جو ہر شخص کے لیے آ کر رہنی ہے‘ اس سے متنبہ کیجیے۔ اور اپنے ربّ کی بڑائی بیان کیجیے‘ اپنے ربّ کی بڑائی کا اعلان کیجیے! ﴿وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ﴾ کا لفظی ترجمہ ہو گا: ’’اور اپنے ربّ کو بڑا کیجیے!‘‘ تصغیر کے معنی ہیں کسی کو چھوٹا کر دینا اور تکبیر کے معنی ہیں کسی کو بڑا کر دینا۔ ربّ کو بڑا کرو! اس معنی میں کہ ربّ کی بڑائی مانی جائے! اپنی جگہ وہ بڑا ہے‘ لیکن یہاں نہ معلوم کون کون ہیں جو اُس کی بڑائی کو چیلنج کرتے ہیں کہ ہماری مرضی چلے گی‘ اُس کی نہیں! ہماری پسند سے معاملہ طے ہو گا‘ ہم نہیں جانتے کہ ربّ کو کیا پسند ہے اور کیا ناپسند ہے! حکومت ہماری ہے‘ ہم نہیں جانتے کہ ربّ کون ہے! جس طرح فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کے جواب میں طنزاً پوچھا تھا: وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ؟ یہ کون ہوتے ہیں ربّ العالمین؟ اس طرح بالفعل تو پوری دنیا ربّ العالمین کو بھولے ہوئے ہے یا اُس کا انکار کیے ہوئے ہے اور اپنی خدائی کی دعوے دار ہے۔ اس صورتِ حال کو بدل کر اپنے ربّ کو بڑا کیجیے‘ اُس کی بڑائی منوائیے! حضرت مسیحؑ کا قول ہے: ’’اے اللہ! تیری مرضی جیسے آسمانوں پر پوری ہوتی ہے ویسے ہی زمین پر پوری ہو!‘‘ —— یہ ہے تکبیرِ ربّ۔ بقول علامہ اقبال مرحوم: ؎

یا وسعتِ افلاک میں تکبیر مسلسل
یا خاک کے آغوش میں تسبیح و مناجات

وہ مذہبِ مردانِ خود آگاہ و خدا مست
یہ مذہبِ مُلّا و جمادات و نباتات

تکبیر ربّ کا یہ حکم محمدؐ رسول اللہ ﷺ کو اپنی جدوجہد کے آغاز ہی میں دے دیا گیا۔ یہ ہے وہ چیز جس کا ایک بارِ گراں محسوس کیا محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے اور اس کا اظہار فرمایا: ((خَشِیْتُ عَلٰی نَفْسِیْ)) ''مجھے اپنی جان کا خدشہ ہے!'' اہلیہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ آپؐ کو تسلی دے رہی ہیں کہ اللہ آپ کو ضائع نہیں کرے گا' آپ یتیموں کی سرپرستی فرمانے والے' بیواؤں کی خبر گیری کرنے والے' بھوکوں کو کھانا کھلانے والے اور مسافروں کی خدمت کرنے والے ہیں۔

دعوت کے ابتدائی تین برس

ابتدائی تین برس تک دعوت وتبلیغ اس سطح پر ہوئی ہے کہ صرف اپنے قریب ترین لوگ ہی اس دعوت کے مخاطب رہے ہیں۔ لفظ ''خفیہ'' کا استعمال کرنا تو درست نہیں ہوگا' خفیہ بات وہاں کوئی نہیں تھی' البتہ ڈنکے کی چوٹ بھی نہ تھی' علی الاعلان نہیں تھی۔ ذاتی تعلقات کی بنیاد پر دعوت اندر ہی اندر پھیل رہی تھی۔ آپؐ کی اہلیہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ سب سے پہلے ایمان لانے والی تھیں۔ اسی طرح آپ ﷺ کے قریب ترین دوست' جگری دوست حضرت ابوبکر صدیق ؓ اپنے ہی زیر تربیت اور زیرِ کفالت چچا زاد بھائی حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور اپنے غلام حضرت زید بن حارثہ ؓ ایمان لائے۔ یہ چار افراد سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔ اِن چاروں میں اوّلیت کا تعین بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس میں بڑی عمدہ مطابقت پیدا کی گئی ہے کہ عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ' آزاد اور بالغ مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ' بچوں میں سب سے پہلے حضرت علیؓ اور غلاموں میں سب سے پہلے حضرت زید بن حارثہؓ ایمان لائے۔ یہ چار حضرات محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی اوّلین کمائی ہیں' اور ان میں سب سے قیمتی کمائی حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ معاشرے میں ان کو بلند مقام حاصل تھا' ان کی سچائی' امانت و دیانت' نیکی و راست بازی' خلق خدا سے

ہمدردی اور وسعتِ قلب سب مسلّم تھی۔ پھر یہ کہ وہ اپنے معاشرے کے متمول فرد تھے‘ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اُس وقت جو ایک قبیلے کی حکومت تھی‘ اس میں ایک انتہائی نازک ذمہ داری ان کے سپرد تھی‘ یعنی دیت (خون بہا) کی رقم کا تعین اور قتل کے مقدمات کا فیصلہ کرنا‘ یہ منصب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ جب وہ ایمان لائے تو وہ ایک فرد نہیں ایک اُمت تھے۔ جیسے قرآن مجید میں آتا ہے کہ: ﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً﴾ چنانچہ عشرۂ مبشرہ میں سے چھ حضرات وہ ہیں جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت پر ایمان لائے۔ حضرت عثمان‘ حضرت طلحہ‘ حضرت زبیر‘ فاتح ایران حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم کو لا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کرنے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ عشرۂ مبشرہ میں سے یہ وہ چوٹی کے صحابہؓ ہیں جو آپؓ کی دعوت و تبلیغ سے ایمان لائے۔

رسول اللہ ﷺ کو حکم ہوا: ﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ (الشعراء) ’’اپنے قریبی رشتہ داروں کو خبردار کیجیے!‘‘ چنانچہ آپ ﷺ نے انسانی سطح پر بالکل فطری طریقہ اختیار کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ دعوتِ طعام کا اہتمام کرو اور بنی ہاشم کو بلاؤ۔ چنانچہ بنی ہاشم کو جمع کر کے کھانا کھلایا گیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر دعوت پیش کرنا چاہی تو اُودھم مچ گیا‘ کسی نے بات نہ سنی۔ آخر چرچا تو ہو چکا تھا‘ انہیں معلوم تو تھا کہ ہمیں کس لیے جمع کیا گیا ہے۔ لہٰذا شور مچا دیا گیا اور بات سنی ہی نہیں گئی۔ اس طرح اوّلین کوشش ناکام ہو گئی۔

یہ بات ذہن میں رکھیے کہ میری گفتگو میں ناکامی کا لفظ بار بار آئے گا‘ اس سے کوئی مغالطہ نہ ہو جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ نبی کی کوشش ناکام نہیں ہوتی۔ نبی کے نقشِ قدم پر چلنے والے کسی انسان کی کوشش بھی ناکام نہیں ہوتی‘ اس اعتبار سے کہ اس کا اجر خدا کے ہاں محفوظ ہے۔ لیکن ایک ہے دنیا میں اس کوشش کے نتائج نکلنا۔ کامیابی کا یہ جو تصور ہے اس کے اعتبار سے یہ لفظ استعمال کر رہا ہوں کہ ناکامی کا سامنا ہوا۔ چنانچہ دوبارہ کوشش کی گئی‘ پھر کھانا کھلایا گیا۔ اس بار ذرا سا موقع مل گیا‘ رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر دعوت

پیش کی۔لیکن پورا مجمع گم سم رہا' صرف حضرت علی ؓ کھڑے ہوئے جو پہلے سے ہی اپنے تھے۔آپؓ نے کھڑے ہو کر کہا: اگر چہ میری ٹانگیں پتلی ہیں' اگر چہ مجھے آشوبِ چشم بھی ہے' لیکن میں آپؐ کا ساتھ دوں گا۔اس پر پورا مجمع کھلکھلا کر ہنس پڑا کہ چلے ہیں عالمی انقلاب برپا کرنے اور یہ ہیں ان کے ساتھی! اس طرح دونوں دعوتوں کا نتیجہ صفر رہا۔

کوہِ صفا کی پکار

اس کے بعد قلبِ محمدﷺ پر حکم نازل ہوتا ہے:

﴿فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ﴾(الحجر:٩٤)

''پس (اے نبی! ایک قدم آگے بڑھائیے اور) جس بات کا آپؐ کو حکم ہوا ہے اس کو ڈنکے کی چوٹ کہیے۔''

اس کے لیے رسول اللہﷺ نے کیا تدبیر اختیار فرمائی؟ جن ظروف و احوال میں آپؐ کام کر رہے تھے ان میں ابلاغ کا جو بھی ممکن طریقہ تھا اسے آپؐ نے اختیار فرمایا۔اُس دَور میں رواج یہ تھا کہ اگر لوگوں کو جمع کر کے کوئی بات سنانی ہوتی' یا کوئی اہم خبر دینی ہوتی تو کوئی شخص کسی بلند مقام پر کھڑے ہو کر نعرہ لگاتا تھا: ''وَاصَباحَا''۔اُس زمانے میں خبر کیا ہوتی تھی کہ فلاں قبیلہ تم پر حملہ کرنے والا ہے' ہوشیار ہو جاؤ! اپنا بچاؤ کر لو! اور وہاں یہ رواج بھی تھا کہ وہ شخص بلند مقام پر کھڑے ہو کر چیختا تھا' اپنے کپڑے پھاڑ ڈالتا تھا اور مادر زاد برہنہ ہو جاتا تھا تاکہ جس تک آواز نہ پہنچی ہو وہ بھی دیکھے تو سمجھی کہ کوئی بات ہے جو یہ شخص ننگا ہو کر کھڑا ہو گیا ہے۔اسے نذیر عریاں کہتے تھے۔آپﷺ نے بھی طریقہ وہی اختیار کیا' لیکن اس میں جو چیز شرم و حیا کے منافی تھی اس کو نکال دیا۔آپؐ نے کوہِ صفا پر کھڑے ہو کر نعرہ لگایا: وَاصَباحا! لوگ جمع ہوئے کہ نہ جانے کیا بات ہے۔آپﷺ نے دعوت پیش کی تو مجمع میں سے آپ کا چچا ابولہب بول اٹھا: **تَبًّا لَکَ اَلِھٰذَا جَمَعۡتَنَا؟** ''تمہارے ہاتھ ٹوٹ جائیں' کیا تو نے ہمیں اس کام کے لیے جمع کیا تھا؟'' (نقلِ کفر' کفر نباشد) ہم بڑی مصروفیات اور مشاغل میں تھے' ہم سمجھے واقعتاً کوئی بڑی اہم بات ہے۔اس پر سورۃ اللھب نازل ہوئی: ﴿تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَہَبٍ وَّ تَبَّ ؕ﴾

''ٹوٹ گئے ہاتھ ابولہب کے اور نامراد ہو گیا وہ''۔یعنی اسلام کی دعوت و اشاعت کا راستہ روکنے کے لیے اُس نے جتنا زور لگایا اُس میں وہ ناکام و نامراد ہوا۔ یہ بات مستقبل کی پیشین گوئی کے طور پر فرمائی گئی' لیکن فوری طور پر تو اس کے ہاتھ نہیں ٹوٹے تھے۔اُس وقت تو صورت یہ تھی کہ اس دعوتِ عام کا بھی کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔گویا ناکامیوں پر ناکامی! یہی وجہ ہے کہ مکی سورتوں میں آپ ﷺ کو بار بار صبر کی تلقین کی گئی ہے کہ اے نبی! صبر کیجیے' جھیلیے' ہمت جواب نہ دے' مایوسی اور ناامیدی پاس نہ پھٹکنے پائے: ﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾(الاحقاف:۳۵)''پس آپ صبر کیجیے' جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا ہے۔''سورۃ المدثر کی ابتدائی سات آیات میں آخری بات صبر ہے:﴿وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ﴾ ''اور اپنے ربّ کی خاطر صبر کیجیے!''سورۃ النحل میں فرمایا:﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾(آیت ۱۲۷)''اور (اے نبیؐ) صبر سے کام لیجیے' اور آپ کا یہ صبر اللہ ہی کی توفیق سے ہے''۔سورۃ المزمل میں ارشاد ہوا: ﴿وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا﴾ ''اور صبر کیجیے ان باتوں پر جو یہ بنا رہے ہیں اور خوبصورتی کے ساتھ ان سے الگ ہو جائیے!''

ایک بات ذہن میں رکھئے' کسی بھی انقلابی دعوت کے نتیجے میں معاشرے کا پہلا ردِّعمل استہزاء و تمسخر ہوتا ہے کہ اسے چٹکیوں میں اڑا دیا جائے۔کہا جاتا ہے کہ پاگل ہو گئے ہیں' جنون کا عارضہ لاحق ہو گیا ہے' ذہنی توازن ٹھیک نہیں رہا۔کبھی مخلصانہ' دردمندانہ اور خیرخواہانہ انداز میں کہا جاتا ہے: اچھے بھلے آدمی تھے' کیا ہو گیا بیٹھے بٹھائے! چنانچہ تسلی کے لیے آیاتِ الٰہیہ اُتر رہی ہیں:

﴿نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ۝ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ۝﴾ (القلم)

''ن۔قسم ہے قلم کی اور اُس چیز کی جسے لکھنے والے لکھ رہے ہیں۔(اے نبیؐ! آپ ملول نہ ہوں) آپ اپنے ربّ کے فضل سے مجنون نہیں ہیں۔اور یقیناً آپ کے لیے ایسا اجر ہے جس کا سلسلہ ختم ہونے والا نہیں۔اور بے شک آپ

اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہیں۔عنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے اور یہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے کون جنون میں مبتلا ہے۔''

یہ ہے وہ ابتدائی دَور جس میں دعوت کا سلسلہ جاری ہے۔

انقلابِ نبویؐ کے چند امتیازات

اس دَور کے متعلق دو باتیں اچھی طرح سمجھ لینی چاہئیں۔ایک تو یہ کہ دعوت کا ذریعہ تمام تر قرآن مجید ہے۔زیرِ دعوت افراد کو آیاتِ قرآنی پڑھ کر سنائی جارہی ہیں۔ اگر معلوم ہوتا کہ فلاں جگہ کوئی قافلہ ٹھہرا ہوا ہے تو آپؐ وہاں پہنچتے اور ان سے کہتے کہ میرے پاس ایک کلام ہے جو مَیں پیش کرتا ہوں، انہیں آپؐ کلامِ الٰہی سناتے۔تذکیر ہے تو قرآن کے ذریعے سے: ﴿فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ﴾ (قٓ) ''بس آپ اس قرآن کے ذریعے سے ہر اُس شخص کو نصیحت کیجیے جو میری تنبیہہ سے ڈرے''۔انذار ہو رہا ہے تو قرآن کے ذریعے سے : ﴿وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ﴾ (الانعام:۱۹) ''اور یہ قرآن مجھ پر وحی کیا گیا ہے تاکہ میں اس کے ذریعہ سے تمہیں اور جس جس کو یہ پہنچے سب کو خبردار کردوں''۔تبشیر ہو رہی ہے تو بھی اسی قرآن کے ذریعے سے: ﴿فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا﴾ (مریم) ''پس (اے نبیؐ!) اس کلام کو ہم نے آپ کی زبان میں آسان کر کے اسی لیے نازل کیا ہے تاکہ آپ اس کے ذریعے پرہیزگاروں کو خوشخبری دے دیں اور ہٹ دھرم لوگوں کو متنبہ کردیں''۔گویا آپؐ کی دعوت کا مرکز و محور قرآن مجید ہی تھا:

اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا!

دوسری بات یہ ذہن میں رکھیے کہ انقلابی جدوجہد کے بعض مراحل وہ ہیں جو تمام انقلابات میں مشترک ہوتے ہیں۔دعوت، تنظیم، تربیت اور تصادم ہر انقلاب کے لازمی مراحل ہیں، لیکن انقلاب کو انقلاب سے ممیّز کرنے والی چیز یہ ہے کہ دعوت کی بنیاد کیا ہے، اور جو جماعت اس دعوت کو قبول کر رہی ہے، اس کی تربیت کا اصول کیا ہے۔یہاں سے

دونوں طرح کے انقلاب کے راستے جدا ہو جائیں گے۔ ایک صالح انقلاب ہوگا اور ایک فاسد انقلاب ہوگا۔ ایک انقلاب وہ ہے جس کی بنیاد خدائے واحد کی پرستش اور آخرت کے یقین پر ہے' اعمالِ صالحہ' انسانی ہمدردی اور سچائی' اس کے ابتدائی لوازم (pre-requisites) ہیں۔ جبکہ ایک دعوت وہ ہے جس میں کسی قوم کی قومی عصبیت کو ابھارا گیا ہو' جس میں کسی نسل کی نسلی عصبیت کو اپیل کیا گیا ہو' جس میں طبقاتی شعور اجاگر کیا گیا ہو۔ زمین و آسمان کا فرق یہاں سے پڑے گا' ورنہ ''دعوت'' کا لفظ مشترک ہے۔ انہیں بھی دعوت پیش کرنی ہوگی' ہمیں بھی اپنی دعوت پیش کرنی ہوگی۔ کوئی سیاسی ہنگامہ' کوئی قومی نعرہ' کوئی طبقاتی کشمکش' یہ راستہ اور ہے' جبکہ **قُوْلُوْا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوْا** کا راستہ اور ہے۔ چنانچہ اسلامی انقلاب کی دعوت یہ ہوگی کہ اللہ اور اُس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ' آخرت کی تیاری کرو' اس کی جواب دہی کی تیاری کرو' اپنے آپ کو رذائل اور ذمائمِ اخلاق سے پاک کرو اور اپنی زندگیوں کو محاسن و مکارمِ اخلاق سے مزین کرو۔ تو اس فرق کو ذہن میں رکھئے۔ کہیں بار بار لفظ انقلاب کی تکرار سے آپ اس فرق کو نظر انداز نہ کر دیں۔ ع چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک!

ایک بات اور ذہن میں رکھئے کہ دنیا میں مذہبی تبلیغ عام طور پر سوسائٹی کے پست طبقات میں ہوتی ہے۔ لوگ اُن کی مظلومیت سے ذرا سا ہمدردی کا لبادہ اوڑھ کر اُن کے سامنے آتے ہیں اور ان کے نام بدلوا لیتے ہیں۔ کوئی سابقہ یا لاحقہ نام میں لگا اور انہوں نے رجسٹر میں درج کر لیا کہ ہم نے اتنے عیسائی بنائے ہیں۔ جو صادق علی تھا وہ صادق مسیح بن گیا۔ لیکن انقلابی دعوت ہمیشہ معاشرے کے اونچے طبقے اور ذہین ترین عنصر سے خطاب کرتی ہے۔ یہ دعوت عقلی بنیاد پر پیش کی جاتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایک نظریہ اور ایک فلسفہ کو قبول کرنے والے معاشرے کے اونچے طبقے کے لوگ ہی ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ دیکھئے جن لوگوں کے نام ابھی گنوائے گئے ہیں' یہ اس سوسائٹی کا مکھن تھے۔ ابوبکر صدیق' عثمان غنی' عبدالرحمٰن بن عوف' طلحہ' زبیر اور سعید بن زید رضی اللہ عنہم ——— یہ ہیں محمدٌ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے والے۔ اگرچہ یہ بھی اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ

انقلابی دعوت کو قبول کرنے میں کچھ اور طبقات کے لوگ بھی پیش قدمی کرتے ہیں۔ اعلیٰ ترین طبقات میں سے تو جو بالکل صالح طبیعت کے لوگ ہوتے ہیں وہی آئیں گے۔ اس لیے کہ اُن کے پاؤں میں مفادات کی بیڑیاں پڑی ہوتی ہیں۔ وہ قائل تو ہو جاتے ہیں کہ بات درست ہے' لیکن اپنی چوہدراہٹ' اپنے مقام و مرتبہ' اپنی وجاہت اور اپنے مفادات (vested interests) کو چھوڑنا آسان نہیں ہوتا۔ یہ تو بہت ہی صالح مزاج اور سلیم الفطرت لوگ ہوتے ہیں جو جھٹ کر آ جاتے ہیں۔

اس کے بعد دو طبقات اور ہیں۔ ایک نوجوانوں کا طبقہ' جس میں ابھی وہ مصلحت کوشی اور مصلحت بینی نہیں ہوتی جو پہلے طبقے کے لوگوں پر مسلط ہوتی ہے۔ ان میں جوش اور ولولہ ہوتا ہے۔ بات قبول کرتے ہیں تو اس پر ''ہر چہ باداباد' ما کشتی در آب انداختیم'' کہہ کر چھلانگ لگانے کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ اور دوسرا طبقہ وہ ہوتا ہے جو دبا ہوتا ہے' پسا ہوتا ہے' اس کے پاؤں میں مفادات کی کوئی بیڑی نہیں ہوتی۔ وہ دعوتِ حق کو اس کی face value پر قبول کرتا ہے۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ یہی تین طبقات ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے میں پیش قدمی کی۔ یا تو چوٹی کا طبقہ ہے جن کے میں نے نام گنوائے ہیں' لیکن یہ چند ہیں' اگرچہ ان میں سے ایک ایک جو ہے وہ ایک ایک لاکھ کے برابر ہے۔ یا پھر بالکل نوجوان ہیں۔ اور یا پھر وہ طبقہ جو انتہائی دبا ہوا' پسا ہوا' مظلوم و مقہور ہے' جس کا کوئی حق اس معاشرہ میں نہیں تھا' یعنی غلاموں کا طبقہ۔ اس طبقہ میں سے حضرت بلالؓ' ابوکبیع اور خباب بن الارت رضی اللہ عنہم ایمان لائے' لونڈیاں ایمان لائیں' آلِ یاسر رضی اللہ عنہم ایمان لائے۔ اس پر اس فاسد نظام کی طرف سے ردِّعمل کا اظہار ہوا ہے۔ پہلے سے قائم نظام جب یہ دیکھتا ہے کہ ہمارے استہزاء و تمسخر اور چٹکیوں میں اڑانے کی کوششوں سے وہ بات ختم نہیں ہوئی' یہ دعوت تو پیش قدمی کر رہی ہے' آگے بڑھ رہی ہے تو اس کا دوسرا حربہ ہمیشہ تشدد (persecution) کا ہوتا ہے۔

ظاہر بات ہے اس صورت میں سب سے زیادہ پسنے والے یا تو غلام ہوتے ہیں یا نوجوان۔ چنانچہ خبابؓ بن الارت کے لیے دہکتے انگارے زمین پر بچھا دیے جاتے اور

ننگی پیٹھ پر اُن کو لٹا دیا جاتا کہ باز آ وَ! بلالِ حبشیؓ کو تپتی ہوئی سنگلاخ زمین پر لٹا کر سینے کے اوپر بھی بھاری پتھر رکھ دیا جاتا۔ کبھی گلے میں رسی ڈال کر اوباش نوجوانوں کے حوالے کر دیا جاتا کہ ان کو اندھے منہ مکے کی گلیوں میں گھسیٹتے پھرو۔ لیکن ہر حال میں ان کی زبان سے یہی نکلتا اَحدٌ اَحدٌ اَحد۔ ابوجہل نے آلِ یاسرؓ پر ایذا رسانی اور تشدد کی حد کر دی۔ اُس نے حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو برچھا مار کر شہید کر دیا اور اس طرح وہ راہِ حق کی پہلی شہید ٹھہریں۔ ان کا خون راہِ حق میں بہنے والا سب سے پہلا خون ہے۔ ان کے شوہر (حضرت عمارؓ کے والد) حضرت یاسرؓ کو اس طرح شہید کیا گیا کہ چار جوان اُونٹ لے کر ان کے ساتھ رسے باندھ دیے گئے اور رسّوں کے دوسرے سروں کے ساتھ حضرت یاسرؓ کے دونوں بازو اور ٹانگیں کس دی گئیں اور پھر اُن اونٹوں کو ایک دم مخالف سمتوں میں دوڑا دیا گیا اور اس طرح اُن کے جسم کے پرخچے اڑ گئے۔ یہ ہے بہیمانہ تشدد جو اس دعوت کو قبول کرنے والوں پر روا رکھا گیا۔

ان حالات میں نبی اکرم ﷺ کے قلبِ مبارک پر کیا بیتتی ہوگی! وہ پیغامِ ربانی جو آپ کو ملتا تھا: ''فَاصْبِرْ'' وہی آپ اپنے جان نثاروں اور ساتھیوں میں بانٹتے گئے۔ آپ سامنے سے گزر رہے ہیں' دیکھ رہے ہیں کہ ابوجہل کیا کر رہا ہے' لیکن اس کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتے۔ آپؐ کہتے ہیں تو صرف یہ کہ ((اِصْبِرُوْا یَا آلَ یَاسِر)) ''اے یاسر کے گھر والو! صبر کرو اور جھیلو' ((فَاِنَّ مَوْعِدَکُمُ الْجَنَّـةَ)) ''اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تم سے جنت کا ہے''۔

پھر یہ نہیں کہ اعلیٰ طبقات کے لوگوں پر تشدد نہ ہوا ہو۔ ان میں سے بالخصوص نوجوانوں پر تشدد ہوا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نوجوان تھے' انہیں ان کے چچا نے ایک چٹائی میں لپیٹا اور دھواں دے دیا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو بالکل مادرزاد برہنہ کر کے گھر سے نکال دیا گیا کہ تم نے اگر اپنے آبائی دین کو چھوڑا ہے تو ماں باپ کی کسی چیز پر تمہارا کوئی حق نہیں ہے' یہ کپڑے بھی انہی کے ہیں' انہیں بھی اُتار دو! حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس قدر مارا گیا کہ بالکل مردہ سمجھ کر چھوڑا گیا۔ کہاں اُن کا مرتبہ

(status) اور کہاں اُن کا یہ حال!

رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی کو شخصی طور پر بھی ایذائیں پہنچائی گئیں۔ آپ ﷺ خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ابوجہل نے عقبہ بن ابی معیط سے کہا کہ ذرا جاؤ ان کی خبر لو۔ اور اُس بدبخت نے چادر کا پھندا بنا کر آپ ﷺ کے گلے میں ڈال کر اسے اس طرح بل دیے کہ آپؐ کی آنکھیں اُبل پڑیں۔ اسی طرح ایک مرتبہ آپ ﷺ سجدے میں پڑے تھے کہ اسی عقبہ بن ابی معیط نے ابوجہل کے کہنے پر اونٹ کی غلاظت بھری اوجھڑی لا کر آپ ﷺ کے کاندھوں پر رکھ دی، جس کے بوجھ کی وجہ سے آپؐ سر نہ اٹھا پائے۔

ہجرتِ حبشہ

یہ بہیمانہ تشدد سن ۵ نبوی میں اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ گیا تو ہجرت کی اجازت آئی اور ہجرت حبشہ ہوئی۔ اس ہجرت کے لیے دو قافلے نکلے۔ پہلے قافلے میں بارہ مرد اور چار عورتیں شامل تھیں، جن میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی تھے اور آپؓ کے ہمراہ آپ کی اہلیہ محترمہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں جو نبی اکرم ﷺ کی لختِ جگر تھیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: حضرت لوط علیہ السلام اور اُن کی بیوی کے بعد یہ پہلا جوڑا ہے جو راہِ خدا میں ہجرت کر رہا ہے۔ دوسرا قافلہ جو ۸۳ مردوں اور ۱۸ عورتوں پر مشتمل تھا، حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی قیادت میں روانہ ہوا۔ کم وبیش اتنے ہی لوگ ہوں گے جو مکہ میں رہ گئے ہوں گے۔ یہ تھی رسول اللہ ﷺ کی پانچ برس کی کمائی! تشدد اور ایذا رسانی کے باوجود ان پانچ برسوں میں دعوت کا قدم پیچھے نہیں ہٹا، بلکہ بتدریج آگے بڑھتا رہا۔ اور یہ دعوت تھی قرآن کی اور اس کی تعلیم کی۔ از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾[1]

---

(۱) ''نبی اکرم ﷺ کا مقصدِ بعثت!'' کے عنوان سے میرا ایک کتابچہ موجود ہے جس میں یہ تین نکات میں نے اپنی امکانی حد تک واضح کیے ہیں: (۱) نبوت کا بنیادی مقصد کیا ہے، (۲) ختم نبوت کے لوازم کیا ہیں، (۳) آنحضور ﷺ کے انقلاب کا بنیادی طریق کار کیا ہے۔ اس کتابچہ کا ضرور مطالعہ کیجیے۔ اور چونکہ ان تین نشستوں میں یہی باتیں سامنے آئی ہیں لہٰذا اس وقت اسے پڑھیں گے تو وہ آسانی سے سمجھ میں آئے گا۔

حضرت عمرؓ اور حضرت حمزہؓ کا قبولِ اسلام

سن ۶ نبوی میں کچھ پانسا پلٹتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایمان لے آئے' حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ایمان لے آئے۔ اس سے مسلمانوں کو بھی کچھ حوصلہ ہوا۔ حضرت عمرؓ کے ایمان لانے میں حضرت خباب بن الارتؓ کا بڑا دخل ہے۔ مشہور واقعہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ اپنی ہمشیرہ فاطمہؓ بنت خطاب کے گھر پر گئے اور دستک دی تو خباب بن الارتؓ ان کو اور ان کے شوہر حضرت سعید بن زیدؓ کو قرآن پڑھا رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر اپنی بہن اور بہنوئی کو مارنا شروع کر دیا۔ لیکن ان کی استقامت دیکھ کر خود ڈگمگا گئے۔ اُن سے قرآن مجید لے کر خود پڑھنا شروع کیا تو دل پر شدید اثر ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے ایمان کا اعلان کر دیا۔

حضرت عمر اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما کا ایمان ایک طرف تو مسلمانوں کے لیے موجب تقویت ہوا' دوسری طرف سردارانِ قریش بھی چونکے کہ یہ مشتِ خاک تو ایک بہت بڑا طوفان بن رہی ہے' لہٰذا یہ وہ وقت ہے جب جناب ابوطالب کو ایک طرح کا الٹی میٹم دے دیا گیا۔ یہ بات ذہن میں رکھئے کہ قبائلی نظام میں شرافت کی بنیاد یہ تھی کہ اپنے قبیلے کے فرد کا ساتھ نہ چھوڑا جائے اور ابوطالب نے بہرحال اس شرافت کا ثبوت دیا۔ بنی ہاشم کی سیادت اب ابوطالب کے پاس تھی اور قریش محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی وار کرنے سے اس لیے ڈرتے تھے کہ اس طرح قبائلی جنگ چھڑ جائے گی' پورے بنی ہاشم کے ساتھ تصادم مول لینا پڑے گا' کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بنی ہاشم کے چشم و چراغ تھے۔ لہٰذا جناب ابوطالب کو الٹی میٹم دیا گیا کہ اب ہمارے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا ہے' یا تو راستے سے ہٹ جاؤ یا میدانِ جنگ میں آؤ۔ اُس وقت ابوطالب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا اور کہا کہ بھتیجے! مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جسے میں برداشت نہ کر سکوں۔

شعب بنی ہاشم کی محصوری

اب ذرا چشمِ تصور سے دیکھئے' دنیاوی سہارا اسی ایک خاندان کا تھا (اصل سہارا تو

اللہ تعالیٰ کا ہے‘ مَیں نے اسی لیے ’’دنیاوی سہارا‘‘ کہا ہے) اور نبی اکرم ﷺ کو محسوس ہوا کہ اب یہ سہارا بھی ہٹ رہا ہے تو آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ لیکن آپؐ نے پوری استقامت کے ساتھ فرمایا: چچا جان! یا تو یہ بات پوری ہو کر رہے گی یا مَیں اپنے آپ کو ہلاک کر دوں گا۔ اس پر چچا کے بھی آنسو نکل آئے۔ ان کی فطری و طبعی محبت جاگی اور انہوں نے آپ ﷺ کی حمایت برقرار رکھی۔ چنانچہ سردارانِ قریش کی طرف سے طے کر دیا گیا کہ بنی ہاشم کا مکمل سماجی اور معاشی بائیکاٹ کر دیا جائے‘ ان کے ساتھ کوئی لین دین نہیں ہوگا‘ اُن کے ہاتھ نہ کوئی چیز بیچی جائے گی نہ اُن سے خریدی جائے گی۔ مجبور ہو کر وہ شعب ابی طالب (یا شعب بنی ہاشم) کے اندر محصور ہو گئے‘ جہاں کوئی چیز اندر نہیں جا رہی تھی۔ تین برس (سن ۷‘۸‘۹ نبوی) تک یہی صورتِ حال رہی۔ بچے بھوک پیاس سے بلکتے رہے۔ کھانے کو کچھ نہیں تھا۔ اس گھاٹی میں اگر کوئی جھاڑی تھی تو اس کے سب پتے کھا لیے گئے۔ کبھی کوئی ہمت کرتا تو رات کے وقت چوری چھپے کچھ پہنچا دیتا‘ ورنہ وہ وقت بھی آیا کہ سوکھا چمڑا اُبال کر اُس کا پانی بلکتے ہوئے بچوں کے حلق میں ٹپکا دیا گیا۔ یہ ہیں وہ مراحل جو پیش آئے۔ میں پھر کہوں گا کہ یہ سب کچھ انسانی سطح پر ہو رہا ہے‘ سب کچھ جھیل کر‘ سب کچھ برداشت کر کے ہو رہا ہے۔ ع ’’اس راہ میں جو سب پہ گزرتی ہے سو گزری!‘‘ اللہ اگر چاہتا تو اپنے حبیبؐ کے پاؤں میں ایک کانٹا بھی چبھنے نہ دیتا‘ لیکن پھر مجھ پر اور آپ پر حجت کیسے قائم ہوتی؟ بہرحال تین سال کے بعد کچھ لوگوں کے اندر انسانیت کی دبی ہوئی چنگاری جاگی اور مقاطعہ کا جو معاہدہ تھا اسے پھاڑ پھینکا۔ اس طرح بنی ہاشم کی محصوری کا دَور ختم ہوا۔

امتحانات کا تسلسل

یہ نبوی کا زمانہ ہے۔ جب استہزاء و تمسخر اور چٹکیوں میں اڑانے کی کوششوں کے بعد تشدد اور ایذا رسانی کا حربہ بھی ناکام ہو گیا تو اب تیسرا حربہ لالچ (temptation) کا آزمایا گیا اور مصالحانہ انداز میں سفارتیں آنے لگیں۔ اب پھر ابوطالب کے پاس سفارت آئی کہ اپنے بھتیجے سے کہو کہ جو مانگنا ہے مانگ لے‘ لیکن اس دعوت سے باز

آ جائے! بادشاہ بننا چاہتا ہے تو بادشاہ بنا دیتے ہیں' اگر کسی گھرانے میں شادی کرنی ہے تو اشارہ کرے' ہم شادی کرا دیتے ہیں' دولت چاہیے تو سیم و زر کے انبار اس کے قدموں میں لگا دیتے ہیں۔ چچا نے پھر بلایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چچا جان! اگر یہ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند رکھ دیں تب بھی مَیں اپنی اس دعوت کو چھوڑنے والا نہیں ہوں۔

دیکھئے' امتحانات کا یہ سلسلہ کس طرح چل رہا ہے۔ شعب بنی ہاشم کی سختی ختم ہوئی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک اور امتحان آیا۔ ۱۰ نبوی کو اللہ کے رسول ﷺ نے عام الحزن (غم واندوہ کا سال) قرار دیا ہے۔ اس سال کے دوران جناب ابوطالب کا بھی انتقال ہو گیا اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا بھی رحلت فرما گئیں۔ اس طرح گھر کے اندر کا رفیق' ہمت بندھانے والا ساتھی' دلجوئی کرنے والی رفیقۂ حیات اور اُدھر خاندانی اور قبائلی سطح پر حامی و پشت پناہ شخصیت ایک ہی سال میں دونوں انتقال کر گئے۔

ذاتی مصائب کا نقطۂ عروج

ان حالات میں قریش کے سرداروں کا حوصلہ جوان ہو رہا ہے' دارالندوہ میں بیٹھ کر مشورے ہو رہے ہیں' قتل کے منصوبے بن رہے ہیں کہ اب قصہ چکا دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ بھی حالات کے نتیجے کو دیکھ رہے ہیں۔ مکہ میں تو اب کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا' آپؐ ایک کوشش کرتے ہیں کہ شاید طائف میں اللہ تعالیٰ کسی بڑے سردار کو اس بات کی توفیق دے دے کہ وہ میری رفاقت اختیار کرے۔ چنانچہ ۱۰ نبوی میں آپؐ نے پا پیادہ طائف کا سفر اختیار کیا' صرف زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ آپؐ کے ساتھ تھے۔ یہ وہ سفر ہے کہ جس میں سائے کی طرح ساتھ رہنے والے ساتھی حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی ساتھ نہ تھے۔ چونکہ مکہ میں آپؐ کے قتل کا فیصلہ ہو چکا تھا اور اہل مکہ کی جانب سے ضرر کا اندیشہ تھا' لہٰذا آپؐ نے عام راستہ چھوڑ کر بڑا دشوار گزار پہاڑی راستہ اختیار کیا۔ طائف پہنچ کر ایک رئیس سے ملے۔ اُس نے بڑا ہی جگر سے پار ہو جانے والا جملہ کہا: ''میں تم سے بات ہی کرنا نہیں چاہتا۔ تم اگر جھوٹے ہو تو اس قابل نہیں کہ تمہیں منہ لگایا جائے اور

اگر تم سچے ہو تو خطرہ ہے کہ اگر مَیں نے تمہاری توہین کر دی تو مجھ پر عذاب آ جائے گا''۔ آپ ﷺ یکے بعد دیگرے تین سرداروں سے ملے' تینوں نے ایسے ہی جواب دیے۔ اب وہ طائف کی گلیاں ہیں اور رحمۃٌ للعالمین ہیں۔ سید الاولین والآخرین اور محبوب ربّ العالمین کے ساتھ عالمِ واقعہ میں ہو کیا رہا ہے! طائف کی گلیوں میں اوباش لوگوں کو پیچھے لگا دیا گیا ہے کہ ذرا اِن کی خبر لو۔ تاک تاک کر ٹخنے کی ہڈی کا نشانہ لے کر پتھر مارے جاتے ہیں۔ محمدٌ رسول اللہ ﷺ کے جسم اطہر سے خون جاری ہے' نقاہت طاری ہو گئی ہے۔ ایک جگہ بیٹھ گئے ہیں تو دو غنڈے آئے ہیں' ایک نے اِدھر سے بغل میں ہاتھ ڈالا اور دوسرے نے اُدھر سے اور کھڑا کر دیا کہ چلو! یہ ہے وہ کس مپرسی' یہ ہے وہ نقشہ کہ ؎

اس راہ میں جو سب پہ گزرتی ہے سو گزری
تنہا پسِ زنداں' کبھی رُسوا سرِ بازار!

مکہ میں تین سال کی قید کے بعد طائف کی یہ رسوائی! یہ نقطۂ عروج ہے رسول اللہ ﷺ کے ذاتی مصائب کا۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک دفعہ مدنی دَور میں سوال کیا کہ آپؐ پر یومِ اُحد سے زیادہ سخت دن بھی کوئی آیا ہے؟ (اُن کے اپنے شعور کی عمر میں یومِ اُحد سب سے زیادہ سخت دن تھا۔) آپؐ نے فرمایا کہ ہاں' طائف کا دن! اُحد کے دن تو آگے پیچھے آپ ﷺ کے جان نثار تھے جنہوں نے اپنے سینے ڈھال بنائے ہوئے تھے۔ لیکن یہاں معاملہ یہ تھا کہ یکہ و تنہا تھے۔ غلام کی تو اُس معاشرے میں کوئی حیثیت ہی نہیں تھی۔ یہ حالت درحقیقت رسول اللہ ﷺ کی ذاتی مصیبت کا نقطۂ عروج ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ طائف سے واپس آئے تو تھوڑی دیر کے لیے ایک جگہ پر بیٹھے۔ طبیعت بھر آئی' جذبات امڈے۔ اُس وقت آپؐ نے جو دعا مانگی ہے اور مناجات کی ہے' وہ کلیجے میں شگاف ڈال دینے والی ہے۔ دعا یہ ہے:

((اَللّٰھُمَّ اِلَیکَ اَشْکُوْ ضُعْفَ قُوَّتِیْ ' وَقِلَّۃَ حِیْلَتِیْ ' وَھَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ ' اَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ ' اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ وَاَنْتَ رَبِّیْ' اِلٰی مَنْ تَکِلُنِیْ؟ اِلٰی بَعِیْدٍ یَتَجَھَّمُنِیْ اَمْ اِلٰی عَدُوٍّ مَّلَّکْتَہٗ اَمْرِیْ؟ اِنْ لَمْ یَکُنْ بِکَ

غَضَبٌ عَلَیَّ فَلَا اُبَالِیْ غَیْرَ اَنَّ عَافِیَتَکَ هِیَ اَوْسَعُ لِیْ اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِکَ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ وَصَلُحَ عَلَیْهِ اَمْرُ الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ اَنْ یَحِلَّ عَلَیَّ غَضَبُکَ اَوْ یَنْزِلَ بِیْ سَخَطُکَ ، لَکَ الْعُقْبٰی حَتّٰی تَرْضٰی ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِکَ))(۱)

''اے اللہ! میں تیری ہی جناب میں شکایت لے کر آیا ہوں اپنی قوت کی کمی اور اپنے وسائل و ذرائع کی قلت کی اور لوگوں میں جو رسوائی ہو رہی ہے' اُس کی۔ تو ارحم الراحمین ہے' تو کمزوروں کا ربّ ہے اور میرا بھی ربّ ہے۔ مجھے کس کے حوالے کر دیا ہے؟ مجھے غیر کے حوالے کر دیا ہے کہ جس طرح چاہے ستائے' یا میرا معاملہ دشمن کے حوالے کر دیا ہے کہ جو چاہے کر گزرے؟ (اس سب کے باوجود) اے اللہ! اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے (اور تیری رضا اسی میں ہے) تو مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ البتہ تیری بخشش میرے لیے وسیع تر ہے۔ میں تیرے رُخِ انور کی ضیا کی پناہ میں آتا ہوں' جس سے ظلمات منور ہو جاتے ہیں اور میرے دنیا و آخرت کے معاملات سدھر جاتے ہیں' اس بات سے کہ مجھ پر تیری ناراضی یا غصہ ہو۔ پروردگار! انجام کار تیرے ہی ہاتھ میں ہے' یہاں تک کہ تیری مرضی پوری ہو۔ کوئی قوت و تدبیر تیری مدد کے بغیر کارگر نہیں ہو سکتی''۔

یہ ہے اصل میں وہ مقام جس کی طرف سورۃ البقرۃ کی اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے:

﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا یَاْتِکُمْ مَّثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِکُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰی نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ ﴿۲۱۴﴾﴾

''پھر کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم یونہی جنت میں چلے جاؤ گے' حالانکہ ابھی تم پر وہ سب کچھ نہیں گزرا جو تم سے پہلے (ایمان لانے والے) لوگوں پر گزر چکا ہے؟ اُن پر سختیاں گزریں' مصیبتیں آئیں اور وہ ہلا مارے گئے' حتیٰ کہ رسول اور اس کے ساتھی اہل ایمان پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ (اُس وقت انہیں

(۱) یہ دعا حدیث و سیرت کی متعدد کتابوں میں الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ وارد ہوئی ہے۔ علامہ ناصر الدین البانیؒ نے اسے فقہ السیرۃ (ح ۱۲۶) میں محمد بن کعب القرظی کی روایت سے اور ضعیف الجامع الصغیر (ح ۱۱۸۲) میں عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کی روایت سے بحوالہ طبرانی نقل کیا ہے۔ (مرتب)

تسلی دی گئی کہ)ہاں اللہ کی مدد یقیناً قریب ہے!''

ایک وقت آتا ہے کہ رسول پکار اٹھتا ہے کہ اے اللہ! تیری مدد کب آئے گی؟ سورۂ یوسف (آیت ۱۱۰) میں بھی آیا ہے:

﴿حَتّٰی اِذَا اسْتَیْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْا اَنَّھُمْ قَدْ کُذِبُوْا جَآءَ ھُمْ نَصْرُنَا.....﴾

''یہاں تک کہ جب پیغمبر (لوگوں سے) مایوس ہو گئے اور (لوگوں نے بھی) یہ سمجھ لیا کہ اُن سے جھوٹ بولا گیا تھا تو یکا یک ہماری مدد پیغمبروں کو پہنچ گئی.....''

ایک وقت آتا ہے کہ بالکل مایوسی کا اندھیارا ہوتا ہے' کہیں کوئی اُمید کی کرن نظر نہیں آتی کہ کدھر جاؤں' سارے راستے بند نظر آتے ہیں' اُس وقت رسول پکارتا ہے تو اللہ کی مدد آ پہنچتی ہے۔ جیسے حضرت نوح علیہ السلام نے صدا بلند کی تھی: ﴿اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ۝﴾ (القمر) ''پروردگار' میں مغلوب ہوا چاہتا ہوں' تو مدد فرما!'' پھر مدد آتی ہے۔ یہاں بھی ایسا ہی معاملہ ہوا۔ چنانچہ ملک الجبال آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے کہ مجھے اللہ نے بھیجا ہے' اگر آپؐ چاہیں تو ان پہاڑوں کو آپس میں ٹکرا دیا جائے اور طائف کے رہنے والے ان کے درمیان سرمہ بن جائیں۔ آپؐ نے فرمایا: نہیں! کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسلوں کو توفیق دے دے۔ چنانچہ خدا نے واقعۃً ان کی نسلوں کو توفیق دی۔ اس صنم کدۂ ہند میں توحید کا پیغام لانے والے محمد بن قاسمؒ بنوثقیف سے ہی تھے' یعنی طائف کے رہنے والوں کی اولاد۔

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے ایک بات لکھی ہے کہ طائف کا دن رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ایک فیصلہ کن موڑ (turning point) ہے۔ اُس دن تک گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو لوگوں کے حوالے کیا ہوا تھا کہ ہمارے نبی سے جو چاہو کر لو' تمہیں کھلی چھوٹ ہے' جس طرح چاہو انہیں ستا لو اور جس طرح چاہو آزما لو' ان کے صبر اور ان کی استقامت کا امتحان لے لو! چنانچہ دس سال تک کوئی بھی مافوق الفطرت رکاوٹ یا مدد نہیں آئی۔ ذہن میں رکھیے یہ ۱۰ نبوی ہے۔ گویا رسول اللہ ﷺ دس سال تک اس کیفیت سے دوچار رہے کہ اللہ کی کوئی غیبی مدد نہیں آئی اور جو بھی اس دنیا کا دستور ہے اُسی کے مطابق زمین پر قدم بہ قدم چل کر جو بھی مسائل پیش آتے ہیں' جو بھی ناکامیاں ہوتی ہیں'

جو بھی رسوائیاں ہوتی ہیں، جو بھی الزامات لگتے ہیں، جو استہزاء اور تمسخر ہوتا ہے، جس طرح ستایا جاتا ہے، وہ سب کچھ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہوا۔ لیکن ہر چیز اپنے عروج (climax) کو پہنچ کر اب anti climax پر آ گئی۔ طائف کا دن رسول اللہ ﷺ کے لیے اس اعتبار سے فیصلہ کن موڑ ہے کہ گویا وہ آخری حد آ پہنچی اور اب آپؐ کو اللہ کی طرف سے خصوصی تحفظ حاصل ہو گیا۔

طائف سے آپؐ واپس مکہ آئے، مگر داخلہ ممکن نہیں تھا۔ مکہ سے تو گئے اسی لیے تھے کہ یہاں قتل کے فیصلے ہو رہے تھے۔ دُنیوی اعتبار سے بے نیلِ مرام واپس آئے ہیں، کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ مکہ میں تو کوئی ایسا دن آیا بھی نہیں تھا جو طائف میں آیا۔ رسول اللہ ﷺ مکہ سے باہر رہے اور مطعم بن عدی کو پیغام بھیجا کہ مجھے اپنی پناہ میں لے لو تو مَیں مکہ میں داخل ہو جاؤں۔ اُس نے کہہ دیا ہاں ٹھیک ہے، آپ میری پناہ میں ہیں! فرمایا یوں نہیں، خود آ کر لے جاؤ۔ وہ شخص اپنے چھ بیٹوں کو ساتھ لے کر ہتھیار بند ہو کر آیا اور آپ ﷺ کو ساتھ لے کر گیا، ورنہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کا مکہ میں داخلہ ممکن نہ تھا۔ (مطعم ابن عدی ایک شریف النفس انسان تھا۔ وہ شخص ایمان نہیں لایا، لیکن ہم سب کی گردنوں پر اس کا احسان ہے کہ اُس نے نبی کریم ﷺ کو پناہ دی۔) لیکن اب پانسا پلٹتا ہے۔

خدائی تدبیر میں مدینہ منورہ کا انتخاب

۱۱ نبوی میں مدینہ منورہ سے ٹھنڈی ہوائیں آئیں۔ موسم حج ہے، حاجیوں کے پڑاؤ لگے ہوئے ہیں۔ محمدؐ رسول اللہ ﷺ دعوت و تبلیغ کے لیے کبھی اِس کیمپ میں اور کبھی اُس کیمپ میں تشریف لے جا رہے ہیں۔ ابھی یہاں حاجیوں کے کسی قافلے کے پاس ہیں اور ابھی وہاں۔ ایک گھاٹی میں اچانک یثرب سے آنے والے چھ حاجیوں سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ آپ ﷺ اپنی دعوت پیش کرتے ہیں۔ اس پر وہ کنکھیوں سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں۔ اِن کنکھیوں میں پوری تاریخ مضمر ہے۔ یثرب میں یہود کے تین قبیلے آباد تھے۔ یہودی اپنے علم کی بنیاد پر، اپنی کتابوں اور اپنے صحیفوں کی بنیاد پر اِن کو خبر دیا کرتے تھے کہ آخری نبی کے ظہور کا وقت آ گیا ہے اور انہیں دھمکایا کرتے تھے کہ اب تو تم ہمیں

دبا لیتے ہو، تم ہم پر غالب آ جاتے ہو لیکن کوئی بات نہیں، آخری نبیؑ کے ظہور کے بعد جب ان کے ساتھ ہو کر ہم تمہارے خلاف جہاد کریں گے تو ہم تم پر غالب ہو جائیں گے۔ یثرب سے آئے ہوئے حاجیوں نے دیکھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی نبی ہیں، جلدی کرو، ایمان لے آؤ، مبادا یہود سبقت کر جائیں۔ ذرا سوچیے، یہود کا علم اہل یثرب کو تو فائدہ دے رہا ہے اور خود یہود کے لیے وہ حجاب بن گیا۔ وہ چھ حضرات ایمان لے آئے اور ایک کھڑکی کھل گئی۔ اب تک پورا ماحول بند تھا، کہیں راستہ نہیں نکل رہا تھا۔ یہاں یہ نکتہ ذہن نشین کر لیجیے کہ یہ خالص خدائی تدبیر ہے، اس میں آنحضورﷺ کی اپنی تدبیر کا کوئی دخل نہیں۔ آپﷺ کی ساری سعی و جہد آج تک مکے میں ہوئی اور مکے سے باہر سوچا بھی تو طائف کا سوچا۔ آپﷺ نے ایک سفر اور بھی کیا تھا اور وہ بھی اسی طرح ناکام رہا تھا۔ یہ خالص خدائی تدبیر تھی کہ مدینے کے چھ افراد ایمان لے آئے۔

اگلے سال (۱۲ نبوی میں) بارہ آدمیوں نے آ کر بیعت کی، اور درخواست کی کہ اب ہمارے ساتھ کوئی ایسا آدمی بھیج دیجیے جو ہمیں قرآن مجید پڑھائے۔ یہ بیعت، بیعت عقبۂ اولیٰ کہلاتی ہے۔ پھر نوٹ کر لیجیے، رسول اللہﷺ کی دعوت وتبلیغ اور تعلیم وتربیت کی بنیاد قرآن ہے۔ یہ اس انقلاب کا انفراسٹرکچر ہے، اور اس عظیم الشان عمارت کی اصل مضبوطی اسی سے ہے۔ اکبر الہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے:

خدا کے کام دیکھو، بعد کیا ہے اور کیا پہلے
نظر آتا ہے مجھ کو بدر سے غارِ حرا پہلے!

تو اصل اہمیت اس جڑ اور بنیاد کی ہے۔ چنانچہ بیعت عقبہ اولیٰ کرنے والے بارہ حضرات نے کہا کہ ہمیں ایک شخص دیجیے جو ہمیں قرآن پاک پڑھائے۔ قرعۂ فال حضرت مصعب ابن عمیرؓ کے نام نکلا۔ یہ بڑے ناز ونعم میں پلے ہوئے نوجوان تھے۔ ان کے لیے دو دو سو درہم کا جوڑا شام سے تیار ہو کر آتا تھا۔ عطر کی پوری پوری شیشیاں جسم پر انڈیل کر نکلتے تھے۔ مکے کی گلیوں میں لوگ دیکھتے تھے کہ کون جا رہا ہے! انتہائی خوش پوش، خوش شکل، خوش مذاق، خوش لباس تھے۔ ان کا ذکر پہلے گزر چکا ہے کہ اسلام قبول کرنے کے

بعد چچا نے ان کے تن کے کپڑے تک اتروا لیے تھے اور گھر سے نکال دیا تھا۔ ان کو ساتھ کر دیا گیا اور وہ مدینہ منورہ میں قرآن کی تعلیم دینے لگے۔ مدینہ میں اُن کا نام **المُقری** یعنی قرآن پڑھانے والا پڑ گیا تھا۔

ایک سال تک حضرت مصعبؓ نے محنت کی اور اگلے سال بہتر (۷۲) مرد اور تین عورتوں نے محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ ۱۳ نبوی کا واقعہ ہے۔ اس بیعت میں یہ طے ہوا کہ آپؐ ہمارے ہاں آ جائیے، ہم آپ کی حفاظت کریں گے۔ اُس وقت جو کچھ قول و قرار ہوا اُس پر بعض کہنے والوں نے کہا: اے یثرب والو! خوب سمجھ لو، خوب سوچ لو کہ کیا قول و قرار کر رہے ہو! محمدؐ رسول اللہ ﷺ کو ساتھ لے کر جانا سرخ و سیاہ آندھیوں کو دعوت دینا ہے۔ چنانچہ انہوں نے بھی خوب سمجھ سوچ کر معاملہ کیا اور کہا کہ ہم آپ کی اس طرح حفاظت کریں گے جس طرح اپنے اہل و عیال کی کرتے ہیں۔ یہ ہے بیعتِ عقبۂ ثانیہ جو ہجرت کی تمہید بنی ہے۔

ہجرتِ مدینہ کا فیصلہ

اس کے بعد حکمِ خداوندی آیا اور ہجرت کا فیصلہ ہوا۔ اِدھر اہل مکہ کی مخالفت نقطۂ عروج پر پہنچ چکی ہے۔ دارالندوہ میں آپ ﷺ کے قتل کے فیصلے کے بعد پورا نقشہ بن چکا ہے کہ قریش کے جتنے گھرانے ہیں اُن سب میں سے ایک ایک فرد قتل میں شریک ہو، اس لیے کہ بنی ہاشم چونکہ لڑائی تو نہیں لڑ سکیں گے، کس کس سے قصاص طلب کریں گے؟ ہر گھرانے کا ایک ایک شخص جمع ہو اور رات کی تاریکی میں پل پڑو۔ یہ بھی تعین نہ ہو سکے کہ محمد (ﷺ) کس کی تلوار سے قتل ہوئے۔ یوں سمجھئے کہ قبائلی زندگی کے تمام معاملات و مسائل کو پیش نظر رکھ کر مکمل منصوبہ بندی کی گئی اور رات کو محمدؐ رسول اللہ ﷺ کے گھر کا محاصرہ کر لیا گیا۔ اس محاصرے کے باوجود محمدؐ رسول اللہ ﷺ نکلے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی حفاظت تھی جو نظر نہیں آتی۔ غارِ ثور میں تین دن رہے ہیں اور ڈھونڈے نہ جا سکے، اگرچہ کھوجی تلاش کرنے والوں کو عین غار کے دہانے تک لے گیا ہے۔ کھوج لگانے والے بھی غضب کے ہیں۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ سیدھا مدینے کا

رُخ کرنے کی بجائے بالکل دوسری طرف سے گئے ہیں جو بڑا دشوار گزار راستہ ہے۔ بارہ میل کی بڑی ہی سخت چڑھائی ہے‘ اور وہاں جا کر آپؐ نے غارِ ثور میں روپوشی اختیار کی ہے‘ لیکن پہنچنے والے وہاں بھی پہنچ گئے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی ایک دفعہ گھبرا گئے کہ حضور ﷺ! ان میں سے کسی نے اگر غیر اختیاری طور پر بھی اپنے قدموں کی طرف دیکھ لیا تو ہم پکڑے جائیں گے۔

یہاں اُس یقین نبوت کا اظہار ہوتا ہے‘ جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا: ﴿كَلَّا اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿٦٢﴾﴾ (الشُّعراء) ’’نہیں‘ میرے ساتھ میرا ربّ ہے‘ وہ میرے لیے راستہ نکال دے گا!‘‘ یہاں آپ ﷺ نے ثانی اثنینؓ سے فرمایا: ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ (التوبۃ: ٤٠) ’’غم نہ کرو‘ اللہ ہمارے ساتھ ہے!‘‘ وہاں سے تین دن کے بعد نکلے ہیں۔ پھر بھی تعاقب جاری ہے۔ اعلان کر دیا گیا ہے کہ محمد کو زندہ پکڑ لاؤ یا ان کا سر لے آؤ اور سو اونٹ لے لو! سو اونٹوں کا اعلان بہت بڑا اعلان ہے۔ سراقہ نے دوڑ لگائی ہے‘ پہنچ بھی گیا ہے‘ لیکن جب قریب پہنچتا ہے تو اُس کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس جاتے ہیں۔ پھر توبہ کرتا ہے‘ باز آتا ہے‘ لیکن پھر وہ لالچ نظر آتا ہے تو پھر دوڑ لگا دیتا ہے۔ تین مرتبہ پاؤں دھنستے ہیں۔ یہ ہے وہ نصرت وحمایتِ خداوندی‘ اِس کا انکار نہیں ہے۔ لیکن اصل بات یہ سمجھنے کی ہے کہ تائیدِ غیبی کب آتی ہے‘ اللہ تعالیٰ کی مدد کب آتی ہے! جبکہ انسان اپنے صبر وثبات سے‘ اپنی محنت سے‘ اپنے استقلال سے ثابت کر دیتا ہے کہ وہ اللہ کی مدد کا حقدار ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی جدوجہد کا دس سال کا عرصہ سامنے رکھیے‘ اس کے بعد یہ راستہ کھلا ہے۔ کیسے کیسے امتحان اور کیسی کیسی آزمائشیں اور کیسی کیسی ناکامیاں پیش آئی ہیں! یومِ طائف کی دعا کو ایک دفعہ پھر ذہن میں تازہ کیجیے‘ جو جگر کو چھید دینے والی دعا ہے۔ بہرحال رسول اللہ ﷺ کی اس انقلابی جدوجہد کا یہ خلاصہ اور لب لباب ہے جو آج بیان کیا گیا ہے۔ اگلی نشست میں سیرت النبی ﷺ کے مدنی دَور پر گفتگو جاری رہے گی۔

اقول قولی هذا واستغفر الله لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات

❁❁❁

کہاں سے لائیے تشبیہہ رحمتِ عالم ﷺ!

عتیق الرحمٰن صدیقی

سورۃ الانبیاء میں اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم ﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾

''(اے محمد ﷺ!) ہم نے جو آپؐ کو بھیجا ہے تو یہ دراصل دنیا والوں کے حق میں ہماری رحمت ہے۔''

اس آیۂ کریمہ کا ترجمہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ:

''ہم نے آپؐ کو دنیا والوں کے لیے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے''۔

گویا رسول اللہ ﷺ کی بعثت نوعِ انسانی کے لیے رحمت وسعادت اور شفقت ومہربانی کا باعث ہے۔ آپؐ نے انسانیت کو امن وسلامتی کا پیغام دیا' حق وباطل کا فرق واضح کیا' تاریک راہوں میں بھٹکنے والوں کو روشنی کی راہ سجھائی' شرک کے اندھیاروں سے نکال کر توحید کے جادۂ مستقیم پر گامزن کیا' انسان کو انسان کی غلامی سے آزاد کیا' زندگی کا قرینہ سکھایا' عدل وانصاف پر مبنی نظامِ حیات کے خدوخال سے روشناس کیا۔ کفارِ مکہ جو نبی اکرم ﷺ کی بعثت کو زحمت اور مصیبت سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ اس شخص نے ہماری قوم میں پھوٹ ڈال دی ہے' ناخن سے گوشت جدا کر کے رکھ دیا ہے' اس پر فرمایا گیا کہ نادانو! تم جسے زحمت سمجھ رہے ہو یہ درحقیقت تمہارے لیے خدا کی رحمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ ۡ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْهِمْ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (الاعراف)

''(پس آج یہ رحمت ان لوگوں کا حصہ ہے) جو اس پیغمبر' نبی اُمی کی پیروی اختیار کریں جس کا ذکر انہیں اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے۔ وہ (رسول) انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے' بدی سے روکتا ہے' ان کے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور اُن پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو اُن پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔ لہٰذا جو لوگ اس پر ایمان لائیں اور اس کی حمایت و نصرت کریں اور اس روشنی کی پیروی اختیار کریں جو اس کے ساتھ نازل کی گئی ہے (یعنی قرآن) وہی فلاح پانے والے ہیں''۔

''رحمۃٌ للّعالمین'' کی ترکیب دو لفظوں پر مشتمل ہے ''رحمت اور عالمین''۔

امام راغب اصفہانی ''رحمت'' کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

الرحمة : رقة تقتضي الاحسان الي المرحوم

''یعنی رحمت اُس رِقت کو کہتے ہیں جو اس شخص پر احسان کرنے کا تقاضا کرے جس پر رحمت کی جا رہی ہے' پھر کبھی اس کا استعمال صرف رقت قلب کے معنی میں ہوتا ہے' اور کبھی صرف احسان کے معنی میں خواہ وہ رقت کی وجہ سے نہ ہو۔ پھر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت اس کے انعام و فضل سے عبارت ہوتی ہے اور لوگوں کی طرف سے رقت و شفقت کے معنی میں آتی ہے''۔ (مفردات القرآن' جلد اوّل)

''عالمین'' عالم کی جمع ہے جس میں ساری مخلوقاتِ انسان' جن' حیوانات' نباتات' جمادات سب ہی داخل ہیں۔ مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''رسولؐ کا ان سب چیزوں کے لیے رحمت ہونا اس طرح ہے کہ تمام کائنات کی حقیقی روح اللہ کا ذکر اور اس کی عبادت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس وقت زمین سے یہ روح نکل جائے گی اور زمین پر کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہے گا تو ان سب چیزوں کی موت اور قیامت آ جائے گی۔ اور جب ذکر اللہ و عبادت کا ان سب چیزوں کی روح ہونا معلوم ہو گیا تو رسولؐ کا ان سب چیزوں کے لیے رحمت ہونا ظاہر ہو گیا' کیونکہ اس دنیا میں قیامت تک ذکر اللہ اور عبادت آپؐ ہی کے دم قدم اور تعلیمات سے قائم ہے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((انا رحمة مهداة)) ''میں اللہ کی طرف سے بھیجی ہوئی رحمت ہوں''۔ (اخرجه ابن عساكر عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((انا رحمة مهداة برفع قوم و خفض آخرين)) یعنی

میں اللہ کی بھیجی ہوئی رحمت ہوں تاکہ (اللہ کے حکم ماننے والی) ایک قوم کو سربلند کردوں اور دوسری قوم (جو اللہ کا حکم ماننے والی نہیں) کو پست کر دوں''۔(معارف القرآن' جلد ششم)

حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

((بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ))(۱)

''میں حسن اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں''۔

ایک دوسری حدیث میں صاف اور واضح الفاظ میں فرمایا:

((اِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ صَالِحَ الْاَخْلَاقِ))(۲)

''میں تو اسی لیے بھیجا گیا ہوں کہ اچھے اور صالح اخلاق کی تکمیل کروں''۔

اخلاق سے مقصود باہم بندوں کے حقوق و فرائض کے وہ تعلقات ہیں جن کو ادا کرنا ہر انسان کے لیے ضروری ہے۔ انسان کا دنیا کی ہر شے سے تھوڑا بہت تعلق ضرور ہوتا ہے۔ انسانوں کے علاوہ حیوانات و جمادات سے بھی اس کا تعلق موجود ہوتا ہے۔ اس تعلق کو حسن و خوبی سے انجام دینا ہی اخلاقِ حسنہ ہے۔ اس ربط و تعلق کے حوالے سے انسانوں پر کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں۔ ہمارے نبی ﷺ نے ہمیں ہر شعبۂ زندگی کے بارے میں واضح ہدایات دی ہیں جن کی پیروی میں ہماری بھلائی ہے۔ اس پہلو سے جب ہم غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ نبی مکرم ﷺ نہ صرف جن وانس کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں بلکہ تمام تر مخلوقات کے لیے بھی باعثِ رحمت ہیں۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:

''آپؐ تو سارے جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اگر کوئی بد بخت اس رحمت عامہ سے خود ہی منتفع نہ ہو تو یہ اس کا قصور ہے۔ آفتاب عالمتاب سے روشنی اور گرمی کا فیض ہر طرف پہنچتا ہے' لیکن کوئی شخص اپنے اوپر تمام دروازے اور سوراخ بند کر لے تو یہ اس کی دیوانگی ہوگی' آفتاب کے عموم فیض میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا۔ اور یہاں تو رحمۃٌ للعالمین کا حلقۂ فیض اس قدر وسیع ہے کہ جو محروم القسمت مستفید ہونا نہ چاہے اس کو بھی کسی نہ کسی درجہ میں بے اختیار رحمت کا حصہ پہنچ جاتا ہے..... حضور ﷺ کے عام اخلاق کے علاوہ جن کافروں پر آپؐ جہاد کرتے تھے وہ بھی مجموعۂ عالم کے

(۱) موطا امام مالك' كتاب الجامع' انه قد بلغ ان رسول الله ﷺ قال بعثت لاتمم حسن .....

(۲) مسند احمد۔

لیے سراسر رحمت تھا' کیونکہ اس کے ذریعے سے اس رحمتِ کُبریٰ کی حفاظت ہوتی تھی جس کے آپ حامل بن کر آئے تھے''۔ (تفسیر عثمانی)

ایک موقع پر صحابہؓ نے عرض کیا کہ حضورﷺ! ان کافروں کے لیے بددعا کیجیے۔ آپؐ نے فرمایا:

((اِنِّیْ لَمْ اُبْعَثْ لَعَّانًا وَاِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً)) (۱)

''میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا' بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں''۔

ابنِ کثیرؒ لکھتے ہیں:

''رہی یہ بات کہ کفار کے لیے آپؐ رحمت کیسے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ابن جریر میں حضرت ابن عباسؓ سے (زیرِ موضوع آیت) اسی آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ مؤمنوں کے لیے تو آپ دنیا اور آخرت میں رحمت تھے اور غیر مؤمنوں کے لیے آپؐ دنیا میں رحمت تھے کہ وہ زمین میں دھنسائے جانے سے' آسمان سے پتھر برسائے جانے سے بچ گئے' جیسا کہ اگلی اُمتوں کے منکروں پر یہ عذاب آئے''۔ (ابن کثیر بحوالہ تفسیرِ طبری)

کفار و مشرکین کی ہرزہ سرائیوں اور ان کی سازشوں سے آپؐ کے خاطر عاطر کو تکلیف پہنچتی تھی' ان کے طعن و تشنیع اور استہزاء و تمسخر پر آپ برافروختہ بھی ہوتے تھے' مگر اس سب کچھ کے باوجود آپؐ کا جذبۂ ترحم غالب رہتا تھا۔ حضرت حذیفہؓ ایک دن حضرت سلمانؓ کے پاس آئے تو انہیں مخاطب ہو کر کہا کہ ایک دن رسول اللہﷺ نے خطبے میں فرمایا:

((اَیُّمَا رَجُلٍ مِنْ اُمَّتِیْ سَبَبْتُهٗ سَبَّةً اَوْ لَعَنْتُهٗ لَعْنَةً فِیْ غَضَبِیْ فَاِنَّمَا اَنَا مِنْ وَلَدِ آدَمَ اَغْضَبُ كَمَا یَغْضَبُوْنَ وَاِنَّمَا بَعَثَنِیْ رَحْمَةً لِلْعَالَمِیْنَ فَاجْعَلْهَا عَلَیْهِمْ صَلَاةً یَوْمَ الْقِیَامَةِ)) (۲)

''جس کسی کو میں نے غصے میں برا بھلا کہہ دیا ہو یا اس پر لعنت کر دی ہو تو سمجھ لو کہ میں بھی تم جیسا ایک انسان ہی ہوں' تمہاری طرح مجھے بھی غصہ آ جاتا ہے۔ البتہ میں چونکہ رحمۃٌ للعالمین ہوں تو میری دعا ہے کہ اللہ میرے ان الفاظ کو بھی ان لوگوں کے لیے

---

(۱) صحیح مسلم' کتاب البر والصلة والآداب' باب النهی عن لعن الدواب وغیرها۔

(۲) سنن ابی داؤد' کتاب السنة' باب فی النهی عن سب اصحاب رسول اللهﷺ۔

موجبِ رحمت بنادے''۔

ایک موقع پر جب ابوسفیان بن حارث نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بہت ناشائستہ باتیں کیں اور مؤمنوں کو تن تنہا کرنے اور انہیں ناکوں چنے چبوانے کا خباثت آمیز عزم دہرایا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں ہی انہیں قتل و غارت کروں گا اور قید کر کے پھر احسان کر کے چھوڑ دوں گا' میں رحمت ہوں' میرا بھیجنے والا اللہ ہے' وہ مجھے دنیا سے نہ اٹھائے گا جب تک کہ اپنے دین کو دنیا پر غالب نہ کر دے۔ میرے پانچ نام ہیں: محمدؐ' احمدؐ' ماحی' یعنی میری وجہ سے اللہ کفر کو مٹا دے گا' حاشر' اس لیے کہ لوگ میرے قدموں میں جمع کیے جائیں گے اور عاقب''۔ (ابن کثیر' جلد سوم)

؎ کہاں سے لائیے تشبیہ رحمت عالمؐ
اٹھیں نہ ہاتھ کبھی انؐ کے بددعا کے لیے

مولانا ابوالکلام آزاد نے اس آیۂ کریمہ کا بڑا خوبصورت ترجمہ کیا ہے: ''اور اے پیغمبر! ہم نے تجھے نہیں بھیجا ہے مگر اس لیے کہ تمام دنیا کے لیے رحمت کا ظہور ہو''۔ مولانا مرحوم نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ پیغمبر اسلام کا ظہور کرۂ ارضی کے لیے رحمت الٰہی کا ظہور ہے' پس ضروری ہے کہ انسانی شقاوت کا خاتمہ ہو' ضروری ہے کہ اس جگہ رحمت الٰہی کا سایہ کرۂ ارضی پر چھا جائے۔ اس کے بعد واضح کر دیا کہ پیغمبر اسلام کی دعوت کا ماحصل کیا ہے: ﴿اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۸﴾﴾ ''وہ تو صرف یہ ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی تنہا معبود ہے (اس کے سوا کوئی نہیں)' پس بتلاؤ تم اس کے آگے سر جھکاتے ہو یا نہیں؟''

مولانا آزاد مزید لکھتے ہیں:

''یہاں پیغمبر اسلام کے ظہور کا ایک ایسا وصف بیان کیا گیا ہے جو قرآن کے بیان کردہ اوصاف میں سب سے زیادہ اہم اور نمایاں ہے' یعنی ''رحمۃ للعالمین''۔ یہ ظہور کسی ایک ملک' کسی ایک قوم' کسی ایک نسل ہی کے لیے نہیں بلکہ تمام دنیا کے لیے رحمت کا ظہور ہے۔ یہ وصف بیان کر کے قرآن نے ایک کسوٹی ہمارے حوالہ کر دی ہے' اس پر ہم اس ظہور کی ساری صداقتیں پرکھ سکتے ہیں۔ اگر یہ فی الواقعہ تمام نوع انسانی کے لیے رحمت کا ظہور ثابت ہوا ہے تو اس کی سچائی میں کوئی شک نہیں' اگر ایسا نہیں ہوا تو پھر سچائی نے قرآن کا ساتھ نہیں دیا۔ ہمارا فرض ہے کہ حقیقت کے لیے

اعتراف کرلیں۔ یہ جانچ تاریخ کی بے لاگ اور بے رحم جانچ ہونی چاہیے' ہر طرح کی مذہبی خوش اعتقادیوں سے منزہ' ہر طرح کی خود پرستانہ طرف داریوں سے پاک کیوں کہ یہاں حقیقت کی عدالت موجود ہے اور وہ صرف حقیقت ہی کی شہادت پر کان دھرتی ہے''۔(ترجمان القرآن' جلد دوم)

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری نے آیۂ کریمہ ﴿وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۰۷﴾﴾ پر بڑی جامع گفتگو فرمائی ہے' وہ لکھتے ہیں :

''رحمۃٌ للعالمین وہی وجودِ مزکی ٹھہرے گا جس نے اہل عالم' بلکہ عالم در عالم کی بہبود و سود' رفاہ و فلاح' خیر و صلاح' عروج و ارتقاء' صفا و بہا کے لیے بلاشائبہ غرض اور بلا آمیزشِ طمع اپنی مقدس زندگی کو صرف کیا ہو۔ جس نے بندوں کو خدا سے ملایا ہو' جس نے الٰہی جلوہ انسانوں کو دکھایا ہو' جس نے دل کو پاک' روح کو روشن' دماغ کو درست' طبع کو ہموار بنایا ہو..... جو غریبی و امیری' جوانی و پیری' امن اور جنگ' امید اور ترنگ' گدائی و پادشاہی' مستی و پارسائی' رنج و راحت' حزن و مسرت کے ہر درجہ' ہر پایہ اور ہر مقام پر انسان کی رہبری کرتا ہو..... جس کی تعلیم نے درندوں کو چوپانی' بھیڑیوں کو گلہ بانی' رہزنوں کو جہاں بانی' غلاموں کو سلطانی' شاہوں کو اخوانی سکھائی ہو..... وہ غریب کا محبّ' مسکین کا ساتھی ..... غلاموں کا محسن' یتیموں کا سہارا..... مساوات کا حامی' اخوت کا بانی..... صدق کا منبع' صبر کا معدن ہو..... وہ اگر رحمۃٌ للعالمین کے لقب سے ملقب نہ ہوگا تو پھر ان جملہ صفات کے جامع کا اور کیا نام ہوگا؟ ہاں رحمۃٌ للعالمین وہی ہے جس نے ملکوں کی دوری' اقوام کی بے گانگی' رنگتوں کا اختلاف' زبانوں کا تباین دور کر کے سب کے دلوں میں ایک ہی ولولہ' سب کے دماغوں میں ایک ہی تصور' سب کی زبانوں پر ایک ہی کلمہ جاری کر دیا ہو..... ہاں رحمۃٌ للعالمین وہی ہے جس کے دربار میں عداس نینوائی' بلال حبشی' سلمان فارسی ..... پہلو بہ پہلو بیٹھے نظر آتے ہیں۔ رحمۃٌ للعالمین وہ ہے جو معاملات انصاف میں عداوت و نفرت کے تأثرات سے ہم کو علیحدہ رہنے کا حکم دیتا ہے..... رحمۃٌ للعالمین وہی ہے جس نے شوہر بیوی کے رشتہ کو اتنا پاک ٹھہرایا کہ بہشت میں جاتے وقت بھی اس جوڑے کو ایک دوسرے سے الگ نہ کیا' جس نے کہا کہ عورتوں کے حق شوہروں پر ویسے ہی ہیں جیسے شوہروں کے حق عورتوں پر..... ہاں رحمۃٌ للعالمین وہی ہے جو ایک انسان کی جان کی قدر و قیمت ان الفاظ میں ظاہر فرماتا ہے کہ اگر کسی شخص نے ایک انسان کو بھی قتل کر دیا (واجب القصاص اور مجرم اس سے الگ ہیں)

گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا' اور جس نے ایک شخص کی جان بچائی گویا اس نے تمام انسانوں کی جان بچائی..... رحمۃٌ للعالمین وہ ہے جو انسانوں کو اخلاقِ فاضلہ اور فضائل محمودہ اور محاسنِ جمیلہ اور صفاتِ کاملہ کی تعلیم دیتا ہے' ماں باپ کی بابت سکھایا: ''ان کے لیے ذلت کے بازوؤں کو زمین پر بچھا دے اور دعا بھی کیا کر اے خدا! ان پر رحمت کر جیسا کہ انہوں نے مجھے چھٹپنے سے پالا ہے''۔ اس حکم میں فرماں برداری' اطاعت و خدمت گزاری کا بھی حکم دیا..... رحمۃٌ للعالمین وہ ہے جس نے شراب اور جوئے کی حرمت کا حکم تمام عالم کو سنایا''۔ (رحمۃٌ للعالمین' جلد دوم' ص ۴۰۳ تا ۴۱۴)

یہ ایک نہایت جامع آیت ہے جو نہ صرف حضور نبی کریم ﷺ کے محامد و مکارم کا احاطہ کیے ہوئے ہے' بلکہ منصبِ رسالت کے اقتضا کو بھی اپنے اندر جذب کیے ہوئے ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو قرآن دے کر پورے جہان کے لیے رحمت بنا دیا ہے۔ اب جس کا جی چاہے اس سے استفادہ کرے اور پورے جہاں کی حکمرانی کی قابلیت پیدا کرے۔ مگر اس ابرِ کرم کے سزاوار وہی لوگ ہوں گے اور یہ فیضان انہی کو میسر آئے گا جو حضور نبی کریم ﷺ پر ایمان لائیں گے' ہر لحظہ ان کی توقیر و تعظیم کریں گے' دینِ حق کی اقامت کے لیے اپنی تمام تر توانائیاں اور صلاحیتیں کھپا دیں گے اور اس تمام تر کوشش و کاوش میں اسی مینارۂ نور کا اتباع کریں گے جو آپؐ پر نازل ہوا۔ ہماری کامیابی کا انحصار ہمارے اسی مثبت طرزِ عمل پر ہے کہ ہم اپنے ربّ کے حضور اپنا سرِ اطاعت جھکا لیں اور جھوٹے خداؤں سے مُنہ پھیر کر صرف اس کے بندے بن جائیں۔

ہوا حضورؐ سے معلوم کس طرح رہیے ہر اک شے ہو فقط ذاتِ کبریا کے لیے
جہاں جہاں ہے اندھیرا' قدم قدم ٹھوکر ترس گیا ہے جہاں نورِ مصطفیٰ کے لیے!

فتح مکہ کے موقع پر نبی اکرم ﷺ کی رحمۃٌ للعالمینی کا جو منظر چشمِ فلک نے دیکھا' اسے علامہ شبلی نعمانی یوں بیان کرتے ہیں:

''بلاشبہ حضور نبی کریم ﷺ کا جذبۂ ترحم نقطۂ کمال پر تھا۔ فتح مکہ کی پُرشکوہ اور جلال آمیز ساعتوں میں بھی آپؐ حامل خلق عظیم تھے' فخر و مباہات کی اداؤں سے دور اور بہت دور غلبۂ عبدیت سے معمور تھے۔ سر اقدس ربّ ذوالجلال کے حضور جھکا ہوا تھا۔ طرح طرح کے مظالم ڈھانے والوں' راہ میں کانٹے بچھانے والوں' اذیتوں کی انتہاؤں پر پہنچ کر آپؐ کو ہجرت پر مجبور کرنے والوں کے کڑے احتساب کا دن تھا' مگر آپؐ نے عفو

درگزر اور ملاطفت کی عدیم النظیر مثال قائم کر دی۔ انصار کا مکمل طور پر آہن پوش دستہ جس کا علم رئیس انصار حضرت سعد ابن عبادہ کے ہاتھ میں تھا' وہ رجز پڑھتے ہوئے فرما رہے تھے: اَلْیَوْمَ یَوْمُ الْمَلْحَمَةِ' اَلْیَوْمَ تُسْتَحَلُّ الْکَعْبَةُ آج سخت لڑائی کا دن ہے' آج کعبہ میں جنگ لڑی جائے گی''۔ آپؐ نے فرمایا کہ سعد غلط کہتا ہے: اَلْیَوْمَ یَوْمُ الْمَرْحَمَةِ' اَلْیَوْمَ تُعَظَّمُ الْکَعْبَةُ' کہ آج کا دن رحمت وشفقت کا دن ہے' آج کعبہ کی تعظیم وتوقیر بڑھائی جائے گی۔ رحمت عالم ﷺ نے جب خوفناک لہجے میں ان سے پوچھا: ''تمہیں کچھ معلوم ہے میں تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں؟'' یہ لوگ اگرچہ ظالم تھے' شقی تھے' بے رحم تھے' لیکن مزاج شناس تھے۔ پکار اُٹھے ''تو شریف بھائی اور شریف برادرزادہ ہے''۔ ارشاد ہوا: لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ اذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ ''تم پر کچھ الزام نہیں' جاؤ تم سب آزاد ہو''۔ (سیرت النبی ﷺ)

یہ رسول اللہ ﷺ کی مسحور کن شخصیت کی سیرت کا صرف ایک پہلو تھا۔ آپؐ کی شخصیت تو تمام کمالات کی جامع تھی' ہم دیکھتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ بیک وقت معلم ومبلغ بھی تھے' مبشر' منذر اور مربی بھی تھے اور اس پر مزید مدبر' منتظم' قاضی القضاۃ اور سپہ سالار بھی تھے۔ ایک جہت کا ظہور مکی زندگی میں زیادہ نمایاں انداز میں ہوتا ہے اور دوسری جہت تمام تر شخصی ونبوی خوبیوں کے ساتھ مدنی زندگی میں جلوہ نما ہوتی ہے۔ آپؐ اپنے تیئیس سالہ دَورِ دعوت میں جس اُسوۂ حسنہ کو روبکار لاتے ہیں' اس کی اطاعت اور اس کا اتباع لازمی ہے۔ تمام تر کارنامے اور معاملات مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں ماسوائے ان امور کے کہ جن میں رسول اللہ ﷺ نے اہلِ ایمان کو رخصت عطا فرمائی ہے۔ کسی بھی جہت کو منصبِ رسالت سے خاص کر کے تجدد کی راہ ہموار نہیں کی جا سکتی۔ اسلامی انقلاب کے لیے تمام پہلو پیش نظر رہیں گے اور آپؐ کا ذاتی کردار بھی ہر لمحہ ضوفشاں رہے گا۔ آپؐ نے تمام مروجہ جاہلی رسوم کو بیخ و بن سے اکھاڑا ہے اور ایک لاکھ سے اوپر پاکیزہ صفت انسانوں کی ایک ایسی جماعت تیار کی ہے جو فکر ونظر کے اعتبار سے صبغۃ اللہ میں رنگی ہوئی تھی' جو ایمان و یقین کے اعتبار سے ایک انفرادی شان سے مالا مال تھی۔ متنوع مفاسد اور رذائل میں مبتلا لوگ نہ صرف مؤمن' موحّد اور متقی و پرہیزگار بن گئے تھے بلکہ ان میں محبت ومؤانست اور اخوت و بھائی چارہ کے جذبات بھی فروزاں ہو گئے تھے۔ وہ اپنے محافظ و پاسبان تو تھے ہی' نوعِ انسانی کے بھی نگہبان بن گئے۔ یہی وہ رحمت عامہ تھی جس سے ایک عالم منور ہوا۔

بقیہ: کہاں سے لائیے تشبیہہ رحمت عالمؐ!

سیرت قدسیہ میں ہمارے لیے ایک پیغام عمل ہے۔اس کا فہم وادراک انتہائی ضروری ہے۔ جذباتی اور روایتی وابستگی صرف اسی صورت میں مؤثر نتائج کی حامل ہوسکتی ہے جب ہم زبانی اظہارِ محبت وعقیدت پر اکتفا نہ کریں' صرف میلاد کی محفلوں کے انعقاد کو جذبۂ اطاعت و فرماں برداری کی معراج نہ سمجھیں' بلکہ کتاب وسنت کی تعلیمات کو زندگی کے تمام شعبوں میں غالب وکارفرما بنائیں' دعوت وعمل اور حکمرانی کے وہی اسلوب اپنائیں جو آپؐ کا خاصہ تھے۔ اس نورِمبین سے اکتساب کیے بغیر فوز وفلاح ممکن نہیں۔

اخذ واستفادہ

(۱) تفہیم القرآن' جلد سوم (۲) تفسیر عثمانی
(۳) ابن کثیر (۴) ترجمان القرآن' از مولانا آزاد
(۵) مفردات القرآن (۶) معارف القرآن' جلد ششم
(۷) رحمۃٌ للعالمین (از قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری)

(باقی صفحہ 96 پر) (باقی صفحہ 66 پر)

(۳) فرضیتِ امامت پر اجماع سے دلیل

خواتین کی اصل عظمت اور حقوق
قرآنِ حکیم کی روشنی میں

انجینئر نوید احمد

یکم دسمبر ۲۰۰۶ء کو پاکستان میں تحفظِ حقوقِ نسواں کے نام سے ایک بل کا نفاذ ہوا۔ اِس بل کے مندرجات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اِس بل میں نہ تو خواتین کے ساتھ ہونے والے ظلم وستم کا مداوا ہے اور نہ ہی اُن کے حقوق کا تحفظ۔ مناسب محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے علم میں یہ بات آئے کہ از روئے قرآنِ حکیم خواتین کی اصل عظمت اور حقوق کیا ہیں؟ پھر یہ کوشش کی جائے کہ خواتین کو اُن کے حقوق دیے جائیں اور اِن حقوق کا تحفظ بھی کیا جائے۔ خواتین کی عظمت اور اُن کے حقوق کے حوالے سے قرآن حکیم سے رہنمائی کے حصول سے قبل ضروری ہے کہ ہم جانیں کہ خواتین کے ساتھ نزولِ قرآن سے قبل اور اِس کے بعد ظلم کی کیا کیا صورتیں رہی ہیں۔

خواتین کے ساتھ ظلم وزیادتی

نزولِ قرآن سے قبل دورِ جاہلیت میں خواتین کی حق تلفی کی حسبِ ذیل صورتیں تھیں:

☆ عورت کو بنی نوع انسان میں گناہوں کی ابتدا کرنے والی اور فتنہ وفساد کی جڑ سمجھا جاتا تھا۔

☆ عورت کی پیدائش کو منحوس سمجھا جاتا تھا اور اُسے زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔

☆ عورت کو مَرد کی خدمت گار، کنیز اور اُس کی خواہشات کی تسکین کے لیے کھلونا سمجھا جاتا تھا۔

☆ عورت کو وراثت اور دیگر تمام حقوق سے محروم رکھا جاتا تھا۔

اور اب مغربی تہذیب کے زیرِ اثر مساوات، آزادی اور حقوقِ نسواں کے پُر فریب نعروں کے ذریعے خواتین پر کئی زیادتیاں کی جارہی ہیں:

☆ مصنوعی مساوات کی آڑ میں عورت پر پیدائش و پرورشِ اولاد کی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ

خاندان کی کفالت کی اضافی ذمہ داری اور بوجھ بھی ڈال دیا گیا ہے۔

☆ عورت کو اپنے تجارتی مفادات کے لیے اشتہاری کھلونا بنا دیا گیا ہے۔

☆ آرٹ، ماڈلنگ اور تفریح کے نام پر عورت کے وقار کو مجروح کیا جا رہا ہے اور اُس کی آبرو کی برسرِعام توہین کی جا رہی ہے۔

☆ نکاح کی بندش کے بغیر جنسی تعلق کے ذریعے عورت کی عصمت کو پامال کیا جا رہا ہے۔

☆ عورتوں اور مَردوں کے آزادانہ میل جول کو فروغ دے کر بیوی کو شوہر کی توجہ سے محروم کیا جا رہا ہے۔

☆ عورتوں اور مَردوں کے آزادانہ میل جول کی وجہ سے عورتوں کو جاذبِ نظر بننے کے لیے زیب و آرائش پر کثیر اخراجات کی بے جا مصیبت میں ڈال دیا گیا ہے۔

ہمارے معاشرے میں خواتین کے ساتھ ظلم و زیادتی کا بازار اِس طرح گرم ہے:

☆ خواتین کو وراثت سے عام طور پر محروم رکھا جاتا ہے۔

☆ خواتین کی قرآن سے شادی کر دی جاتی ہے تاکہ اُن کے حصہ کی زرعی جائیداد کو اپنے خاندان کی تحویل میں رکھا جا سکے۔

☆ وٹہ سٹہ یعنی متبادل نکاحوں کے طور پر خواتین کو مہر سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

☆ ونی کی رسم، جس میں قصاص کے بدل کے طور پر قاتل کے خاندان کی چھوٹی بچیوں کا نکاح مقتول کے خاندان کے مَردوں سے کر دیا جاتا ہے اور بعض اوقات اِن رشتوں میں شوہر اور بیوی کے درمیان عمروں میں بے انتہا تفاوت ہوتا ہے۔

☆ عورتوں کی خرید و فروخت کی جاتی ہے اور اُنہیں میراث بنا لیا جاتا ہے۔

☆ مہر عورت کی بجائے اُس کے والد یا ولی لے لیتے ہیں۔

☆ عاقلہ بالغہ خاتون کی شادی اُس کی رضامندی کے بغیر کر دی جاتی ہے۔

☆ بیک وقت تین طلاق دے کر خاندان برباد کر دیا جاتا ہے۔

خواتین کے ساتھ ظلم و زیادتی کی وجہ

خواتین کے ساتھ ظلم و زیادتی اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے پہلوتہی کا نتیجہ ہے۔ ہر انسان کے حقوق کی پاسداری صرف اور صرف اللہ کی عطا کردہ ہدایت پر عمل کرنے میں ہے۔ انسان کسی بھی حیثیت میں ہو، اُس کا سب سے بڑا خیر خواہ اللہ ہے۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ مَوْلٰكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ﴾ (الحج)

''وہی تمہارا ساتھی ہے' پس کیا خوب ساتھی اور کیا خوب مددگار ہے!''

اللہ تعالیٰ تمام انسانوں پر فضل کرنے والا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰـكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ﴾ (یونس)

''بے شک اللہ لوگوں پر مہربان ہے' لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے''۔

مختلف حیثیتوں سے ذمہ داریاں ادا کرنے والے افراد کے درمیان حقوق وفرائض کا معاملہ ایسا ہے کہ اِن میں باہمی اختلاف ہو ہی جاتا ہے۔اب جن معاملات میں اختلاف ہو اُن اختلافات کا فیصلہ کرنے والا بھی اللہ ہے:

﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗ اِلَى اللّٰهِ ؕ﴾ (الشّوریٰ: ۱۰)

''اور تم جس بات میں اختلاف کرتے ہو اس کا فیصلہ اللہ کے حوالے ہے''۔

ہمارا ایمان ہے کہ اللہ سے بہتر فیصلہ کسی کا نہیں ہوسکتا:

﴿وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ﴾ (المائدۃ)

''اور کون بہتر ہے اللہ سے فیصلہ کے اعتبار سے اُن کے لیے جو یقین رکھتے ہیں؟''

آیئے دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں خواتین کو کیا عظمت دی اور اُن کے کیا حقوق بیان فرمائے؟

تخلیق کے اعتبار سے مَردوں اور خواتین میں مساوات کا بیان

قرآنِ حکیم تخلیق کے اعتبار سے مَردوں اور خواتین کو بالکل مساوی مقام دیتا ہے' کیونکہ دونوں ایک ہی اللہ کی مخلوق اور ایک ہی انسانی جوڑے کی اولاد ہیں:

﴿يٰۤـاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّـكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ﴾ (النّساء: ۱)

''اے لوگو! اپنے اُس ربّ کی نافرمانی سے بچو جس نے تم سب کو پیدا کیا ایک جان (حضرت آدمؑ) سے اور اُسی کی نوع سے اُس کا جوڑا (امّاں حوا سلامٌ علیھا کو) بنایا اور اُن دونوں سے (پیدا کرکے) پھیلا دیے کثرت سے مَرد اور خواتین''۔

قرآنِ حکیم اس تصور کی نفی کرتا ہے کہ اپنی نوع کے اعتبار سے مَرد افضل ہے اور عورت کمتر۔ اِس کے برعکس قرآنِ حکیم میں بار بار یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ مَرد اور خواتین ایک ہی

نوع سے تخلیق کیے گئے ہیں:

﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا﴾ (الاعراف:۱۸۹)

''وہی (اللہ) تو ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اُسی کی نوع سے اُس کا جوڑا بنایا تا کہ وہ اُس سے راحت حاصل کرے''۔

﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا﴾(النحل: ۷۲)

''اور اللہ نے تمہاری جانوں سے تمہارے لیے جوڑے پیدا کیے''۔

﴿وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا وَجَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ (الرّوم)

''اور اُس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اُس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جانوں سے جوڑے پیدا کیے تا کہ تم اُن کی طرف (مائل ہو کر) سکون حاصل کرو اور اُس نے تم میں محبت اور مہربانی پیدا کر دی۔ بے شک اِس میں نشانیاں ہیں اُن کے لیے جو غور کرتے ہیں''۔

عظمت کے بیان میں عورتوں کی مَردوں کے مساوی اہمیت

قرآنِ حکیم میں عظمت کے اعتبار سے مَردوں میں جو مقام سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو دیا گیا وہی مقام خواتین میں حضرت مریم سلامٌ علیھا کو دیا گیا۔ اِس کے شواہد حسبِ ذیل ہیں:

☆ قرآنِ حکیم میں دونوں کے نام سے سورتیں موسوم کی گئیں۔ سورۃ نمبر ۱۴ کا نام ہے ''ابراہیم'' اور سورۃ نمبر ۱۹ کا نام ہے ''مریم''۔

☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت مریم سلامٌ علیھا، دونوں کو اللہ کے چنے ہوئے سعادت مندوں میں شمار کیا گیا:

﴿وَمَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ وَلَقَدِ اصْطَفَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾ (البقرۃ)

''اور کون ہے جو ابراہیمؑ کے راستے سے ہٹ جائے؟ سوائے اُس کے جس نے اپنے آپ کو حماقت میں ڈال لیا۔ ہم نے اُن کو دنیا میں چن لیا تھا اور آخرت میں بھی لازماً وہ صالحین میں شامل ہوں گے''۔

﴿وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (آلِ عمران)

''اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم! بے شک اللہ نے تمہیں چن لیا اور پاکیزہ کر دیا اور تمام جہان کی عورتوں پر فضیلت دی''۔

☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح حضرت مریم سلامٌ علیہا کو بھی اللہ کا فرماں بردار ہونے کی سند عطا کی گئی:

﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا﴾ (النحل: ۱۲۰)

''بے شک ابراہیمؑ (اللہ کی اطاعت کے لیے بالکل) یکسو ہو کر اپنی ذات میں اللہ کی فرماں بردار اُمت تھے''۔

﴿وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ﴾ (التحریم)

''اور (اللہ نے مؤمنوں کے لیے مثال بیان فرمائی) عمران کی بیٹی مریم کی جنہوں نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تو ہم نے اُس میں اپنی روح میں سے پھونک دیا اور اُنہوں نے اپنے ربّ کے کلام اور اُس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ فرماں برداروں میں سے تھیں''۔

☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح حضرت مریم سلامٌ علیہا کو بھی مرتبۂ صدیقیت عطا کیا گیا۔ یہ مرتبہ اللہ کے انعام یافتہ بندوں میں سے کچھ کو حاصل ہوتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا﴾ (النّساء)

''اور جو کوئی اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرے تو ایسے ہی لوگ (آخرت میں) اُن (مقبول بندوں) کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے' یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین' اور یہ کیا ہی اچھے رفیق ہیں!''

اللہ کے انعام یافتہ بندے چار ہیں: انبیاء' صدیقین' شہداء اور صالحین۔ گناہوں سے توبہ کر کے اللہ کی بندگی اختیار کرنے والا بندہ صالح کہلاتا ہے۔ صالحین میں سے صدیقین کا مقام و مرتبہ وہ لوگ پاتے ہیں جن کا مزاج غور و فکر کرنے والا ہوتا ہے۔ وہ زندگی اور کائنات کے حقائق پر غور کر کے معرفتِ حق کے حصول کی منزلیں طے کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام

اِسی مرتبہ کے حامل تھے اور پھر اللہ نے اُنہیں نبوت سے بھی سرفراز فرمایا:

﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴾ (مریم)

''اور کتاب میں ابراہیمؑ کا ذکر کیجیے۔ بے شک وہ صدیق نبی تھے''۔

یہی مقام و مرتبہ اللہ نے حضرت مریم سلامٌ علیہا کو بھی عطا فرمایا:

﴿مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۭ﴾ (المائدۃ: ۷۵)

''مسیح ابن مریم تو صرف (اللہ کے) رسول تھے۔ اُن سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے تھے۔ اور اُن کی والدہ (مریم) صدیقہ تھیں''۔

قرآنِ حکیم میں انبیاء کرام علیہم السلام کی عظمت بیان کرتے ہوئے اُن کی ازواج کی بھی عظمت کا ذکر کیا گیا:

﴿اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ۭ﴾ (الاحزاب: ٦)

''نبی (ﷺ) مؤمنوں کے لیے اپنی جانوں سے بڑھ کر عزیز ہیں اور آپؐ کی ازواج اُن کی مائیں ہیں''۔

﴿وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ﴾ (الاحزاب)

''اور تمہارے لیے یہ جائز نہیں کہ تم اللہ کے رسولؐ کو دکھ دو اور نہ یہ کہ اُن کی ازواج سے کبھی بھی اُن کے بعد نکاح کرو۔ بے شک یہ تمہارے لیے اللہ کے نزدیک بڑی (گناہ کی) بات ہے''۔

سورۃ الاحزاب میں نبی اکرم ﷺ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴾

''بے شک اللہ چاہتا ہے اے اہلِ بیت! کہ تم سے ہر طرح کی نجاست (ظاہری و معنوی) دُور کر دے اور تمہیں بالکل پاک وصاف کر دے''۔

جب فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت کی بشارت دی تو اُن کی زوجہ نے تعجب کیا کہ میرے شوہر بوڑھے اور میں بانجھ ہوں تو میرے ہاں بیٹا کیسے پیدا

ہوگا! اِس پر فرشتوں نے اُنہیں بھی اللہ کی رحمت و برکت کی نوید اِس طرح دی:

﴿اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَیْكُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ﴿۷۳﴾﴾ (ھود)

''کیا آپ اللہ کی قدرت سے تعجب کرتی ہیں؟ اے اہلِ بیت! آپ پر اللہ کی رحمت اور اُس کی برکتیں ہیں۔ بے شک وہ (اللہ) تعریف کیا ہوا بزرگی والا ہے''۔

خواتین کے علیحدہ تشخص کا ذکر

قرآنِ حکیم واضح کرتا ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں خواتین اپنے شوہروں کے تابع نہیں، بلکہ علیحدہ تشخص کی حامل ہوں گی۔ ممکن ہے کہ شوہر جنت میں جائے لیکن اُس کی بیوی جہنم میں۔ اِس کی مثال سورۃ التحریم میں اِس طرح دی گئی:

﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَیْنِ مِنْ عِبَادِنَا صٰلِحَیْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ یُغْنِیَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا وَّقِیْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِیْنَ ﴿۱۰﴾﴾

''اللہ نے کافروں کے لیے نوحؑ کی بیوی اور لُوطؑ کی بیوی کی مثال بیان فرمائی۔ دونوں ہمارے دو نیک بندوں کے گھر میں تھیں تو اُن انہوں نے ان سے (اپنے شوہروں سے) خیانت کی تو وہ اللہ کے مقابلے میں اُن دونوں (بیویوں) کے کچھ بھی کام نہ آئے اور اُن دونوں کو حکم دیا گیا کہ داخل ہو جاؤ دوزخ میں داخل ہونے والوں کے ساتھ''۔

اِسی طرح اِس کا بھی امکان ہے کہ شوہر جہنم میں ہو لیکن اُس کی بیوی جنت میں ہو۔ اِس کے لیے سورۃ التحریم ہی میں فرعون اور اُس کی بیوی حضرت آسیہ سلامٌ علیھا کی مثال دی گئی:

﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ وَنَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۱﴾﴾

''اور اللہ نے مؤمنوں کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال بیان فرمائی، جبکہ اُس نے التجا کی اے میرے ربّ! میرے لیے جنت میں اپنے پاس ایک گھر بنا اور مجھے نجات عطا فرما فرعون اور اُس کے (سیاہ) اعمال سے اور مجھے نجات عطا فرما ظالم قوم سے''۔

نیکیوں کے اعتبار سے مَردوں اور خواتین کی یکساں اہمیت

اللہ تعالیٰ نے مَردوں اور خواتین کے یکساں مطلوبہ اوصاف اِس طرح بیان فرمائے:

﴿اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۵﴾﴾ (الاحزاب)

''بے شک فرماں بردار مَرد اور فرماں بردار خواتین، ایمان رکھنے والے مَرد اور ایمان رکھنے والی خواتین، تابع فرمان مَرد اور تابع فرمان خواتین، سچے مَرد اور سچی خواتین، صبر کرنے والے مَرد اور صبر کرنے والی خواتین، عاجزی اختیار کرنے والے مَرد اور عاجزی اختیار کرنے والی خواتین، صدقہ دینے والے مَرد اور صدقہ دینے والی خواتین، روزے رکھنے والے مَرد اور روزے رکھنے والی خواتین، اپنی عصمت کی حفاظت کرنے والے مَرد اور (اپنی عصمت کی) حفاظت کرنے والی خواتین اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مَرد اور (اللہ کا کثرت سے) ذکر کرنے والی خواتین، اللہ نے اُن سب کے لیے مغفرت اور ایک بڑے اجر کا وعدہ کر رکھا ہے''۔

خدمتِ دین کے مشن میں مَرد اور خواتین کو ایک دوسرے کا پشت پناہ قرار دیا گیا:

﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾﴾ (التوبة)

''اور مؤمن مَرد اور مؤمن خواتین، یہ سب ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔ اچھے کام کرنے کو کہتے ہیں اور بُری باتوں سے منع کرتے ہیں، اور نماز ادا کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ عنقریب رحم کرے گا۔ بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے''۔

اللہ کے رسول ﷺ مَردوں کی طرح خواتین سے بھی بیعت لے کر اُنہیں نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں شرکت کا احساس دلاتے تھے:

﴿یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ عَلٰۤی اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْـًٔا وَّلَا یَسْرِقْنَ وَلَا یَزْنِیْنَ وَلَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا یَعْصِیْنَكَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فَبَایِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴿۱۲﴾﴾ (المُمتحنة)

''اے نبیؐ! جب آپؐ کے پاس مؤمن خواتین اِس بات پر بیعت کرنے آئیں کہ اللہ کے ساتھ نہ تو کوئی شرک کریں گی' نہ چوری کریں گی' نہ بدکاری کریں گی' نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی' نہ اپنے ہاتھ پاؤں سے کوئی بہتان اُٹھائیں گی (یعنی نہ کسی پر تہمت لگائیں گی) اور نہ نیک کاموں میں آپؐ کی نافرمانی کریں گی' تو اُن سے بیعت لے لیجیے اور اُن کے لیے اللہ سے بخشش مانگیے۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے''۔

آخرت میں اجروثواب کے اعتبار سے یکساں اہمیت

خاندان کے ادارے کو ایک نظم کے تحت چلانے کے لیے اللہ نے شوہر کو بیوی پر ایک درجہ فوقیت دی ہے' لیکن یہ فوقیت صرف دنیا کی حد تک ہے۔ روزِ قیامت اجر کے حصول کے لیے دونوں کے پاس عمل کرنے کا کھلا میدان ہے۔ جو زیادہ نیکیاں کرے گا وہ آگے نکل جائے گا۔ ارشاداتِ باری تعالیٰ ہیں:

﴿لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ وَاسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا﴿۳۲﴾﴾ (النّساء)

''مَردوں کو اُن کاموں کا ثواب ہے جو اُنہوں نے کیے اور خواتین کو اُن کاموں کا ثواب ہے جو اُنہوں نے کیے۔ اور اللہ سے اُس کا فضل (وکرم) مانگتے رہو۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے''۔

﴿وَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا یُظْلَمُوْنَ نَقِیْرًا﴿۱۲۴﴾﴾ (النّساء)

''اور جو نیک کام کرے گا خواہ وہ مَرد ہو یا عورت' اور وہ صاحبِ ایمان بھی ہو' تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور اُن کی تِل برابر بھی حق تلفی نہ کی جائے گی''۔

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّهٗ حَیٰوةً طَیِّبَةً وَلَنَجْزِیَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴿۹۷﴾﴾ (النحل)

''جس کسی نے اچھا عمل کیا خواہ وہ مَرد ہو یا عورت اور وہ صاحبِ ایمان بھی ہو تو ہم اُسے لازماً دیں گے بہت ہی پاکیزہ زندگی (دنیا میں) اور ہم اُن کو ضرور دیں گے (آخرت میں) اُن کا اجر اُن کے بہترین اعمال کی مناسبت سے''۔

﴿..... اَنِّیۡ لَاۤ اُضِیۡعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنۡکُمۡ مِّنۡ ذَکَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی ۚ بَعۡضُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ ۚ﴾ (آلِ عمران: ۱۹۵)

''..... یہ کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا خواہ وہ مَرد ہو یا عورت، تم ایک ہی نوع سے ہو''۔

﴿وَعَدَ اللّٰہُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا وَمَسٰکِنَ طَیِّبَۃً فِیۡ جَنّٰتِ عَدۡنٍ ؕ وَرِضۡوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکۡبَرُ ؕ ذٰلِکَ ہُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ﴿۷۲﴾﴾ (التوبۃ)

''اللہ نے مؤمن مَردوں اور مؤمن خواتین سے اُن باغات کا وعدہ کیا ہے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے، اور رہنے والے باغات میں پاکیزہ گھروں کا (وعدہ کیا ہے)۔ اور اللہ کی رضامندی تو سب سے بڑھ کر ہے۔ یہی بڑی کامیابی ہے''۔

﴿یَوۡمَ تَرَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ یَسۡعٰی نُوۡرُہُمۡ بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَبِاَیۡمَانِہِمۡ بُشۡرٰىکُمُ الۡیَوۡمَ جَنّٰتٌ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ ذٰلِکَ ہُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ﴿۱۲﴾﴾ (الحدید)

''(اے نبیؐ!) اُس روز آپؐ دیکھیں گے اہلِ ایمان مَردوں اور خواتین کو کہ دوڑتا ہوگا اُن کا نور اُن کے سامنے اور داہنی طرف۔ (کہا جائے گا) آج بشارت ہو تمہیں اُن باغات کی بہتی ہیں جن کے نیچے سے نہریں، وہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اُن (باغات) میں۔ وہی ہے شاندار کامیابی''۔

بعض خواتین کے لیے خصوصی اعزاز

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایات کا نزول ہوا:

﴿وَاَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰۤی اُمِّ مُوۡسٰۤی اَنۡ اَرۡضِعِیۡہِ ۚ فَاِذَا خِفۡتِ عَلَیۡہِ فَاَلۡقِیۡہِ فِی الۡیَمِّ وَلَا تَخَافِیۡ وَلَا تَحۡزَنِیۡ ۚ اِنَّا رَآدُّوۡہُ اِلَیۡکِ وَجَاعِلُوۡہُ مِنَ

﴿الْمُرْسَلِيْنَ۝۷﴾(القصص)

''اور ہم نے موسیٰ کی والدہ کو سمجھایا کہ موسیٰ کو دودھ پلاتی رہو‘ پس جب تمہیں اس کے بارے میں (قتل کیے جانے کا) خوف ہو تو اُسے دریا میں ڈال دینا اور نہ خوف کرنا اور نہ رنج‘ ہم اُسے تمہارے پاس واپس پہنچا دیں گے اور (پھر) اُسے رسول بنا دیں گے''۔

﴿وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰی فٰرِغًاؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِیْ بِهٖ لَوْلَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰی قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۝۱۰﴾ (القصص)

''اور موسیٰ کی والدہ کا دل بے قرار ہو گیا‘ قریب تھا کہ وہ اُس (رسول بنانے والی بشارت) کو ظاہر کر دیتیں اگر ہم اُن کے دل کو مضبوط نہ کر دیتے تاکہ وہ رہیں مؤمنوں میں سے''۔

﴿فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤی اُمِّهٖ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۝۱۳﴾ (القصص)

''تو ہم نے اسے (موسیٰ کو) اُن کی والدہ کے پاس واپس پہنچا دیا تاکہ اُن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کریں اور جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے''۔

شیخِ مدین کی صاحبزادی کے بیان کردہ حکیمانہ اصول کو قرآنِ حکیم میں قیامت تک کے لیے محفوظ کر کے سند عطا کر دی گئی:

﴿یٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ٘ اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ۝۲۶﴾ (القصص)

''اے ابا جان! اِن کو ملازمت پر رکھ لیجیے‘ کیونکہ بہتر ملازم جو آپ رکھیں وہ ہے جو قوت والا اور امانت دار ہو''۔

ایسی ہی سند ملکہ سبا کے حکیمانہ قول کو بھی دی گئی:

﴿قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْۤا اَعِزَّةَ اَهْلِهَاۤ اَذِلَّةً وَكَذٰلِكَ یَفْعَلُوْنَ۝۳۴﴾ (النمل)

''وہ کہنے لگی: بلاشبہ بادشاہ جب کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اُسے تباہ کر دیتے ہیں اور وہاں کے عزت والوں کو ذلیل کر دیا کرتے ہیں‘ اور اِسی طرح یہ بھی کریں گے''۔

حضرت خولہ بنتِ ثعلبہ رضی اللہ عنہا کی پکار عرش پر پہنچی' اللہ نے سنی اور فوری جواب عطا فرمایا:

﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝﴾ (المُجادلة)

''اللہ نے سن لی اُس بندی کی بات جو آپؐ سے اپنے شوہر کے بارے میں بحث کرتی اور اللہ سے فریاد کرتی تھی' اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے''۔

خواتین کی عزتِ نفس کا احترام

سورۃ الاحزاب میں مرد اور عورت دونوں کی عزتِ نفس کا احترام نہ کرنے والوں کی مذمت کی گئی:

﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝﴾

''اور جو لوگ مؤمن مردوں اور مؤمن خواتین کو دکھ دیتے ہیں نا کردہ گناہ کا الزام لگا کر تو اُنہوں نے اُٹھایا بہتان اور کیا بالکل واضح گناہ''۔

سورۃ القصص میں احترامِ نسوانیت کا پاس رکھنے کے حوالے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک واقعہ بیان کیا گیا:

﴿وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ڬ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۭ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَاۗءُ ۫ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ۝ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّىْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ۝﴾

''اور جب وہ (یعنی حضرت موسیٰ) مدین کے پانی پلانے (کے مقام) پر پہنچے تو دیکھا کہ وہاں لوگ جمع ہیں (اور اپنے چوپایوں کو) پانی پلا رہے ہیں اور اُن کے ایک طرف دو خواتین کو دیکھا کہ روکے کھڑی ہیں اپنی بکریوں کو۔ موسیٰ نے پوچھا تمہارا کیا معاملہ ہے؟ وہ بولیں کہ جب تک چرواہے چلے نہ جائیں ہم پانی نہیں پلا سکتیں اور ہمارے والد (یہ کام نہیں کر سکتے' کیونکہ وہ) بڑی عمر کے بوڑھے ہیں تو اس نے اُن کے لیے (ان کے جانوروں کو) پانی پلا دیا' پھر سائے کی طرف پلٹا تو کہا: پروردگار! جو خیر بھی تو

مجھ پر نازل کر دے میں اس کا محتاج ہوں''۔

سورۃ البقرۃ میں طلاق کے حوالے سے خواتین کو دکھ دینے کی ممانعت یوں بیان کی گئی:

﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٢٣١﴾﴾

''اور جب تم بیویوں کو (ایک یا دو دفعہ) طلاق دے چکو اور اُن کی عدت پوری ہونے کو آئے تو اُنہیں یا تو حسنِ سلوک سے نکاح میں رہنے دو یا بطریقِ شائستہ رخصت کر دو' اور اِس نیت سے اُن کو نکاح میں نہ رکھو کہ اُنہیں تکلیف دو اور اُن پر زیادتی کرو' اور جو ایسا کرے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔ اور اللہ کے احکام کو مذاق اور کھیل نہ بنالو اور یاد رکھو وہ نعمتیں جو اللہ نے تمہیں بخشی ہیں اور تم پر جو کتاب اور دانائی کی باتیں نازل کی ہیں (انہیں بھی یاد رکھو) جن سے وہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے' اور اللہ کی نافرمانی سے بچو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے''۔

اللہ نے خواتین کو زبردستی وراثت میں رکھنے سے منع فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ﴾ (النّساء: ۱۹)

''مؤمنو! تمہارے لیے جائز نہیں کہ زبردستی خواتین کے وارث بن جاؤ اور (دیکھنا) اُنہیں (گھروں میں) مت روک رکھنا اِس نیت سے کہ جو کچھ تم نے اُن کو دیا ہے اُس میں سے کچھ لے لو۔ ہاں اگر وہ کھلے طور پر بدکاری کی مرتکب ہوں (تو روکنا نامناسب نہیں)''۔

خواتین کے وارث بن جانے سے مراد یہ ہے کہ اپنے مالی مفادات کی خاطر خواتین کو زبردستی نکاح میں رکھنا' بیٹی یا بہن کا نکاح نہ ہونے دینا یا کہیں بالجبر نکاح کر دینا اور سوتیلی بیوہ ماں کو گھر میں روکے رکھنا۔

قرآنِ حکیم نے ایسے لوگوں کے لیے شدید وعیدیں بیان کیں جوخواتین پر تہمت لگاتے ہیں:

﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۙ﴾(النور)

''اور جولوگ پاکبازخواتین پر بدکاری کاالزام لگائیں اور اِس پر چارگواہ نہ لائیں تو اُن کواَسی کوڑے مارواور آئندہ کبھی بھی اُن کی شہادت قبول نہ کرو،اور یہی بدکردار ہیں''۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۙ يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۙ﴾

''جولوگ پاکباز اور بُرے کاموں سے بےخبرمؤمن خواتین پر بدکاری کی تہمت لگاتے ہیں اُن پر دنیاوآخرت (دونوں) میں لعنت ہے اور اُن کو (قیامت کے روز) سخت عذاب ہوگا۔جس دن اُن کی زبانیں اور ہاتھ اور پاؤں اُن کے خلاف اُن کاموں کی گواہی دیں گے جووہ کرتے رہے''۔

اِسی حوالے سے سورۃ النور کے دوسرے رکوع میں حضرت عائشہ ؓ پر تہمت لگانے والوں کی بھی شدیدالفاظ میں مذمت کی گئی۔

حفاظتِ ناموسِ زن

حفاظتِ ناموسِ زن کے لیےقرآنِ حکیم میں بےحیائی اور فحاشی کی سختی سے ممانعت آئی ہے۔اِس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بےحیائی اور فحاشی کا فروغ خواتین کے ساتھ ظلم اور زیادتی ہےاوراللہ ظلم اور زیادتی کو پسندنہیں فرماتا۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَ نَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ۗ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ۗ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۲۸ قُلْ اَمَرَ رَبِّىْ بِالْقِسْطِ ۖ﴾ (الاعراف:۲۸،۲۹)

''اوروہ جب بھی کسی کھلی بےحیائی کاارتکاب کرتے ہیں تو کہتے ہیں ہم نے اِس پر پایا

اپنے آباء واَجداد کو اور اللہ نے ہمیں اِس کا حکم دیا ہے۔ (اے نبیؐ!) کہہ دیجیے بے شک اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا' کیا تم اللہ کے بارے میں بغیر علم کے باتیں منسوب کر رہے ہو؟ (اے نبیؐ) کہہ دیجیے میرا ربّ تو عدل کا حکم دیتا ہے''۔

بے حیائی خواتین کے ساتھ اِس اعتبار سے ظلم اور زیادتی ہے کہ اِس سے عورت کا تقدس اور وقار مجروح ہوتا ہے اور بے حیا عورت ایک شخص کو اپنی طرف مائل کر کے اُس کی بیوی کے حق پر ڈاکہ ڈالتی ہے۔ قرآنِ حکیم میں کئی بار خواتین کے لیے پاکیزہ کردار کا ذکر کیا گیا ہے تاکہ خواتین کے ناموس کی حفاظت کی جا سکے۔ اُمت کی ماؤں اور اُن کے توسط سے اُمت کی بیٹیوں کو ہدایت دی گئی:

﴿وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی﴾(الاحزاب:۳۳)

''اور اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ رہو اور دورِ جاہلیت کی سی سج دھج نہ دکھاتی پھرو''۔

﴿وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِکُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِکُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ﴾ (الاحزاب: ۵۳)

''اور جب تمہیں اُن (نبی اکرم ﷺ کی بیویوں) سے کچھ مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو۔ یہ تمہارے اور اُن کے دلوں کے لیے بہت پاکیزگی کی بات ہے''۔

﴿یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ وَبَنٰتِکَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ ؕ ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ ؕ وَکَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۵۹﴾﴾ (الاحزاب)

''اے نبی (ﷺ)! اپنی بیویوں' بیٹیوں اور مسلمان خواتین سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں۔ یہ زیادہ مناسب ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور اُنہیں ستایا نہ جائے۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے''۔

﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ ۖ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ

لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۪ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ؕ وَتُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾

(النور)

''اور (اے نبیﷺ!) مؤمن خواتین سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اورخواتین اپنی زیب و زینت کسی پر ظاہر نہ کیا کریں سوائے اُس کے جو اَزخود (بغیر اُن کے اختیار کے) ظاہر ہوجائے' اوراپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈال لیں' اوراپنی زیب وزینت ظاہر نہ کیا کریں سوائے اپنے شوہروں اور باپ اورخسر اور بیٹوں اورشوہروں کے بیٹوں اوراپنے بھائیوں اور بھتیجوں اور بھانجوں اوراپنی جان پہچان کی خواتین اوراپنی کنیزوں وغلاموں کے' نیز اُن خدام کے جوخواتین سے کوئی غرض نہیں رکھتے یا ایسے بچوں سے جوخواتین کی پوشیدہ باتوں سے ابھی واقف نہیں ہوئے' اوراپنے پاؤں (اِس طرح زمین پر) نہ ماریں کہ اُن کی پوشیدہ زینت (زیور کی جھنکار) ظاہر ہوجائے' اور مؤمنو! سب اللہ کے حضور توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ''۔

شیخِ مدین کی صاحبزادی کے ذکر میں خاص طور پر اُن کی باحیا چال کونمایاں کیا گیا:

﴿فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ۫﴾ (القصص: ۲۵)

''تو اُن دولڑکیوں میں سے ایک اُن کے پاس آئی' وہ چل رہی تھی شرماتی ہوئی''۔

قرآنِ حکیم میں اہلِ جنت کی خواتین کا پاکیزہ طرزِ عمل بار بار بیان کیا گیا:

﴿وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ﴿۴۸﴾ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۴۹﴾﴾ (الصّٰفّٰت)

''اوراُن کے پاس بڑی بڑی آنکھوں والی بیویاں ہوں گی جونگاہیں نیچی رکھتی ہوں گی' گویا وہ اُن انڈوں کی طرح ہیں جو چھپائے جاتے ہیں''۔

﴿فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ۙ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾﴾

(الرحمٰن)

''اُن (باغات) میں نیچی نگاہ والی بیویاں ہیں جن کو اہلِ جنت سے پہلے نہ کسی انسان نے ہاتھ لگایا اور نہ کسی جن نے''۔

﴿حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِى الْخِيَامِ ﴿۷۲﴾﴾ (الرحمٰن)

''(وہ) حوریں (ہیں جو) خیموں میں رکی ہوئی ہیں''۔

﴿وَحُوْرٌ عِيْنٌ ﴿۲۲﴾ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ﴿۲۳﴾﴾ (الواقعة)

''اور بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں ہیں' جیسے حفاظت سے چھپائے ہوئے موتی''۔

ماں کی حیثیت سے احترام

قرآنِ حکیم میں والدین کے حقوق کے بیان میں ماں کے ذکر کو خصوصی اہمیت دی گئی:

﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۱۴﴾﴾ (لقمٰن)

''اور ہم نے انسان کو وصیت کی اُس کے والدین کے بارے میں' اٹھایا اُس کو اُس کی ماں نے تکلیف پر تکلیف جھیل کر اور اُس کا دودھ چھڑانا ہے دو سالوں میں کہ کر شکر میرا اور اپنے والدین کا' میرے پاس ہی لوٹنا ہے''۔

﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ۭ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۭ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۵﴾﴾ (الاحقاف)

''اور ہم نے انسان کو وصیت کی اُس کے والدین کے بارے میں حسنِ سلوک کی' اُس کی ماں نے اُس کو اُٹھایا تکلیف سے اور تکلیف ہی سے جنم دیا' اور اُس کا اُٹھانا اور دودھ چھڑانا تیس مہینوں میں ہوتا ہے' یہاں تک کہ جب وہ پہنچا اپنی پختگی کو اور ہوا چالیس برس کا تو دعا کی اے میرے پروردگار! مجھے توفیق دے کہ میں شکر کروں تیرے اُس احسان کا جو تو نے مجھ پر کیا اور میرے ماں باپ پر کیا اور مجھے توفیق دے کہ میں وہ اچھا عمل کروں جس سے تو راضی ہو جائے اور میرے لیے میری اولاد کی اصلاح فرما دے' میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں فرماں بردار ہوں''۔

بیوی کی حیثیت سے حقوق

قرآنِ حکیم بیوی اور شوہر کو ایک دوسرے کی یکساں ضرورت قرار دیتا ہے:

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ (البقرة: ۱۸۷)

''وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم اُن کے لیے لباس ہو''۔

لباس انسان کی ضرورت ہے' اُس سے انسان سکون محسوس کرتا ہے اور وہ انسان کے جسمانی رازوں سے واقف ہوتا ہے۔ بالکل یہی کیفیت شوہر اور بیوی کی باہمی طور پر ہوتی ہے۔ قرآنِ حکیم واضح کرتا ہے کہ بیویوں کے حقوق بھی ہیں جیسے اُن کے فرائض ہیں:

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (البقرۃ: ۲۲۸)

''اور (مَردوں پر) خواتین کے حقوق بھی ہیں جیسے کہ اُن خواتین پر (مَردوں کے) حقوق ہیں' دستور کے موافق''۔

بیویوں سے حسنِ سلوک کی ہدایت قرآنِ حکیم میں اِس طرح بیان ہوئی:

﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْـًٔا وَّیَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا كَثِیْرًا ﴿۱۹﴾﴾ (النساء)

''اور بیویوں کے ساتھ اچھی طرح سے رہو۔ پھر اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اُس میں بہت سی بھلائی پیدا فرما دے''۔

﴿وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَاۤ اَنْ یُّصْلِحَا بَیْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَیْرٌ ؕ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ﴿۱۲۸﴾﴾ (النساء)

''اور اگر کسی خاتون کو اپنے خاوند کی طرف سے زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ ہو تو اُن دونوں پر کچھ گناہ نہیں کہ باہمی اتفاق سے صلح کر لیں' اور صلح ہی بہتر ہے' اور جی میں لالچ تو رہتی ہی ہے' اور اگر تم حسنِ سلوک کرو اور اللہ کی نافرمانی سے بچو تو اللہ باخبر ہے اُس سے جو کچھ تم کر رہے ہو''۔

قرآنِ حکیم ایک سے زیادہ بیویوں کی صورت میں ہر ایک سے عدل کو لازم قرار دیتا ہے:

﴿وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً .....﴾ (النساء:۳)

''اور اگر تم کو اِس بات کا خوف ہو کہ یتیم لڑکیوں کے بارے میں عدل نہ کر سکو گے تو اُن کے سوا جو خواتین تمہیں پسند ہیں اُن سے نکاح کر لو' دو دو اور تین تین اور چار چار' اور اگر اِس بات کا اندیشہ ہو کہ (سب بیویوں سے) یکساں سلوک نہ کر سکو گے تو ایک بیوی ہی

(کافی ہے).....''

﴿وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلاَ تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۱۲۹﴾ (النساء)

''اور تم خواہ کتنا ہی چاہو بیویوں میں ہرگز برابری نہیں کرسکو گے' تو ایسا بھی نہ کرنا کہ ایک ہی کی طرف مائل ہوجاؤ اور دوسری کو (ایسی حالت میں) چھوڑ دو کہ درمیان میں لٹک رہی ہے' اور اگر آپس میں موافقت کرلو اور اللہ کی نافرمانی سے بچو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے''۔

بیویوں کو مہر کی ادائیگی کی تاکید قرآنِ حکیم میں اِن الفاظ میں آئی ہے:

﴿وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۭ﴾ (النساء:٤)

''اور بیویوں کو اُن کے مہر خوشی سے دے دیا کرو''۔

﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۭ﴾ (النساء: ٢٤)

''تو جن بیویوں سے تم تعلق قائم کرلو تو اُن کا مقرر کیا ہوا مہر ادا کردو''۔

خاندان آباد رکھنے کے لیے ہدایات

اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے کہ خاندان آباد رہے اور نوبت طلاق تک نہ پہنچے۔ اگر شوہر بیوی میں اتفاق نہ ہو تو طلاق سے قبل اللہ تعالیٰ چار ہدایات پر عمل کا حکم دیتا ہے:

﴿وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ۝۳۴ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۝۳۵﴾ (النساء)

''اور جن بیویوں کی نسبت تمہیں اندیشہ ہو کہ وہ نافرمانی کریں گی تو (پہلے) اُن کو سمجھاؤ۔ (اگر نہ سمجھیں تو) پھر (دوسرا یہ کہ) اُن کو بستروں سے علیحدہ کردو' اور (اگر اِس پر بھی باز نہ آئیں تو تیسرا یہ کہ) اُن کی سرزنش کرو' پھر اگر تمہارا کہنا مانیں تو پھر اُن

کے خلاف کوئی بہانہ مت ڈھونڈو۔ بلاشبہ اللہ بلند وبالا بڑائی والا ہے ۔ اور اگر تمہیں اندیشہ محسوس ہو اُن کے درمیان ضد کا تو (چوتھا یہ ہے کہ) مقرر کرو ایک منصف شوہر کے خاندان میں سے اور ایک منصف بیوی کے خاندان میں سے ۔ وہ اگر صلح چاہیں گے تو اللہ اُن میں موافقت پیدا کر دے گا۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ سب کچھ جاننے والا (اور) سب باتوں سے باخبر ہے''۔

سورۃ البقرۃ میں آگاہ کیا گیا کہ اگر شوہر بیوی کو ایک یا دو طلاقیں دے اور عدت گزر جائے' پھر اگر وہ دونوں دوبارہ نکاح پر راضی ہوں تو اُن کو اِس سے روکنا جائز نہیں:

﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٣٢﴾﴾

''اور جب تم بیویوں کو طلاق دو اور وہ عدت پوری کر لیں تو اُنہیں اپنے شوہروں کے ساتھ نکاح کرنے سے مت روکو جبکہ وہ آپس میں بھلے طور پر راضی ہوں ۔ اِس (حکم) سے اُس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ اور روزِ آخرت پر یقین رکھتا ہے۔ یہ تمہارے لیے نہایت پاکیزہ اور ستھری بات ہے' اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے''۔

سورۃ البقرۃ میں یہ مضمون آیا کہ دو فرشتے یہود کو جادو کا علم بطورِ آزمائش سکھاتے تھے اور یہ علم سیکھنے والے ایسا کر کے کفر کا ارتکاب کرتے تھے۔ مزید واضح کیا گیا کہ یہ علم وہی سیکھتے تھے جو شوہر اور بیوی کے درمیان پھوٹ ڈالنا چاہتے تھے۔ اللہ نے خاندان اجاڑنے کی کوشش کرنے والے ان بدبختوں کی اِس طرح مذمت فرمائی:

﴿وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَاۤ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ؕ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۫ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠٢﴾﴾

''اور وہ دونوں (فرشتے) کسی کو کچھ نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیتے کہ ہم تو

آزمائش (کا ذریعہ) ہیں تو تم کفر میں نہ پڑو۔ لوگ اُن سے ایسا جادو سیکھتے تھے جس سے شوہر اور بیوی میں جدائی ڈال سکیں' اور اللہ کے حکم کے سوا وہ اِس (جادو) سے کسی کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے تھے' اور وہ کچھ ایسے (منتر) سیکھتے جو اُن کو نقصان ہی پہنچاتے اور فائدہ کچھ نہ دیتے' اور وہ جانتے تھے کہ جو شخص اِس (جادو) کو سیکھے گا اُس کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں' اور بری شے ہے (وہ جادو) جس کے عوض اُنہوں نے اپنی جانوں کا سودا کیا۔ کاش وہ (اِس بات کو) جانتے''۔

مطلقہ خاتون کے حقوق

اگر کسی خاتون کو اُس کے شوہر نے طلاق دے دی تو قرآنِ حکیم حکم دیتا ہے کہ دورانِ عدت مطلقہ کو تمام سہولیات فراہم کی جائیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۭ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا﴾ (الطلاق)

''اے نبیؐ! (مسلمانوں سے کہہ دیجیے) جب تم بیویوں کو طلاق دینے لگو تو اُن کو عدت کے لیے طلاق دو اور عدت کو پورا کرو' اور اُس اللہ کی نافرمانی سے بچو جو تمہارا ربّ ہے۔ اُن کو (عدت کے دوران) گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں سوائے اِس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں' اور یہ اللہ کی حدیں ہیں' اور جو اللہ کی حدوں سے تجاوز کرے گا وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا۔ تجھے کیا معلوم کہ شاید اللہ اس کے بعد کوئی نئی (ملاپ کی) صورت پیدا کر دے!''

﴿اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَاۗرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ۭ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ اُخْرٰى﴾ (الطلاق)

''اُن (مطلقہ بیویوں) کو (عدت کے دوران) اپنی حیثیت کے مطابق وہیں رکھو جہاں خود رہتے ہو اور اُن کو تنگ کرنے کے لیے تکلیف نہ دو' اور اگر وہ حمل سے ہوں تو بچہ کی

پیدائش تک خرچ دیتے رہو؛ پھر اگر وہ بچے کو تمہارے کہنے سے دودھ پلائیں تو اُن کو اِس کا صلہ دو' اور باہم مشورہ کرو بھلے طریقہ سے' اور اگر باہم دِقت ہو تو بچے کو کوئی اور خاتون دودھ پلائے''۔

عدت کے بعد حکم یہ ہے کہ مطلقہ بیوی کو خوبصورتی کے ساتھ رخصت کیا جائے:

﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪﴾ (البقرة:٢٣١)

''اور جب تم بیویوں کو (ایک یا دو دفعہ) طلاق دے چکو اور اُن کی عدت پوری ہونے کو آئے تو انہیں یا تو حسنِ سلوک سے نکاح میں رہنے دو یا بطریقِ شائستہ رخصت کر دو''۔

رخصت کرتے ہوئے مطلقہ بیویوں سے مہر یا تحائف واپس لینا ہرگز جائز نہیں:

﴿وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿٢٠﴾﴾(النساء)

''اور اگر تم ایک بیوی کو چھوڑ کر دوسری بیوی نکاح میں لانا چاہو اور پہلی بیوی کو بہت سا مال دے چکے ہو تو اُس میں سے کچھ مت لینا۔ بھلا تم ناجائز طور پر اور صریح ظلم سے اپنا مال اُس سے واپس لو گے؟''

اِس کے برعکس مطلقہ بیویوں کو تحائف دے کر رخصت کرنے کی ہدایت کی گئی:

﴿وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿٢٤١﴾﴾ (البقرة)

''اور مطلقہ بیویوں کو بھی دستور کے مطابق مال و اسباب دینا چاہیے۔ پرہیزگاروں پر یہ لازم ہے''۔

﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۖ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا ۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٢٣٦﴾ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّاۤ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِىْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَاَنْ تَعْفُوْۤا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٢٣٧﴾﴾ (البقرة)

''اور تم پر کچھ گناہ نہیں اگر تم بیویوں کو رخصتی یا مہر مقرر کرنے سے پہلے طلاق دے دو۔

ہاں اُن کو دستور کے مطابق کچھ مال و اسباب ضرور دو۔ حیثیت والا اپنی حیثیت کے مطابق دے اور تنگدست اپنی گنجائش کے مطابق' نیک لوگوں پر یہ لازم ہے۔ اور اگر تم بیویوں کو رخصتی سے پہلے طلاق دے دو لیکن مہر مقرر کر چکے ہو تو آدھا مہر دینا ہوگا۔ ہاں اگر وہ خود چھوڑ دیں یا وہ مَرد جن کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے (اپنا حق) چھوڑ دیں (اور پورا مہر دے دیں تو اُن کو اختیار ہے)۔ اور اگر تم مَرد لوگ ہی اپنا حق چھوڑ دو تو یہ پرہیزگاری کی بات ہے' اور آپس میں بھلائی کرنے کو فراموش نہ کرنا۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ تمہارے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے''۔

عدت گزرنے کے بعد اگر مطلقہ بیوی بچے کو دودھ پلائے تو اُسے خرچ دینے کا حکم ہے:

﴿وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۭ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَاۗرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ﴾ (البقرۃ:۲۳۳)

''اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں' یہ (حکم) اُس شخص کے لیے ہے جو پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق باپ کے ذمے ہوگا۔ کسی شخص کو اُس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی۔ (تو یاد رکھو کہ) نہ تو ماں کو اُس کے بچے کے سبب نقصان پہنچایا جائے اور نہ باپ کو اُس کی اولاد کی وجہ سے نقصان پہنچایا جائے''۔

بیٹی کی حیثیت سے شفقت

دورِ جاہلیت میں لوگ بیٹی کی پیدائش کو اپنے لیے غم کا سبب سمجھتے تھے مگر قرآنِ کریم نے بیٹی کی ولادت کو بشارت قرار دیا:

﴿وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝۵۸﴾ (النحل)

''اور جب اُن میں سے کسی کو بیٹی (کے پیدا ہونے) کی بشارت دی جاتی ہے تو اُس کا چہرہ (غم کے سبب) سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ جی ہی جی میں گھٹتا ہے''۔

قرآنِ حکیم زندہ درگور کی جانے والی بیٹی کا تذکرہ لرزا دینے والے اسلوب میں کرتا ہے:

﴿وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُىِٕلَتْ ۝۸ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝۹﴾ (التکویر)

''اور جب اُس بچی سے جو زندہ دفنا دی گئی' پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ پر قتل کی گئی؟''

خواتین کو وراثت دینے کی تاکید

قرآنِ حکیم نے خواتین کو وراثت میں سے حصہ دینے کی سختی سے تاکید کی ہے:

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۪ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ۭ نَصِيبًا مَّفْرُوْضًا﴾ (النساء)

''مَردوں کا حصہ ہے اُس مال میں سے جو والدین اور قرابت دار چھوڑ مریں اور خواتین کا بھی حصہ ہے اُس مال میں سے جو والدین اور قرابت دار چھوڑ مریں' خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ۔ یہ حصے (اللہ کے) مقرر کیے ہوئے ہیں''۔

سورۃ النساء کی آیات ۱۱ اور ۱۲ میں بیٹی' ماں' بیوی اور کلالہ کی صورت میں بہن کے وراثت میں حصے متعین کیے گئے۔

کنیزوں کے حقوق

قرآنِ حکیم نے کنیزوں اور غلاموں کی آزادی کے حصول میں مدد کی تلقین کی:

﴿وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۠ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ۭ﴾ (النور: ۳۳)

''اور جو غلام یا کنیز تم سے معاوضہ دے کر آزادی چاہیں اگر تم اُن میں نیکی پاؤ تو اُن کو آزاد کرنے کی بات طے کر لو' اور اللہ نے جو مال تمھیں بخشا ہے اُس میں سے اُن کو بھی دو''۔

کنیزوں کو بدکاری کے لیے مجبور کرنے کی سختی سے ممانعت کی گئی:

﴿وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَي الْبِغَاۗءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۳﴾ (النور)

''اور اپنی کنیزوں کو دنیا کا فائدہ لینے کے لیے بدکاری پر مجبور نہ کرو جبکہ وہ پاک دامن رہنا چاہیں' اور جو اُن کو مجبور کرے گا تو اللہ اُن کو مجبور کیے جانے کے بعد (اُن کے حق میں) بخشنے والا مہربان ہے''۔

ہمارا المیہ

قرآنِ حکیم بلاشبہ ہر اعتبار سے ہمارے لیے عادلانہ تعلیمات کا سرچشمہ ہے۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم مختلف امور میں ہدایت و رہنمائی کے لیے قرآن کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ اِس کا مرثیہ اقبال نے اپنی معرکۃ الآرا نظم ''ابلیس کی مجلسِ شوریٰ'' میں یوں کہا ہے:

جانتا ہوں میں یہ اُمت حاملِ قرآں نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مؤمن کا دیں
جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں
بے یدِ بیضا ہے پیرانِ حرم کی آستیں
عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر کہیں
الحذر آئینِ پیغمبرؐ سے سو بار الحذر
حافظِ ناموسِ زن، مَرد آزما، مَرد آفریں
موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لیے
نے کوئی فغفور و خاقاں، نے فقیر رہ نشیں
کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک و صاف
منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں!
اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
پادشاہوں کی نہیں، اللہ کی ہے یہ زمیں
چشمِ عالم سے رہے پوشیدہ یہ آئیں تو خوب
یہ غنیمت ہے کہ خود مؤمن ہے محرومِ یقیں
ہے یہی بہتر الٰہیات میں الجھا رہے
یہ کتابُ اللہ کی تأویلات میں الجھا رہے

اب اگر ہم قرآنِ حکیم کو چھوڑ کر حقوق و فرائض کے لیے کہیں اور سے رہنمائی لیں گے تو بلاشبہ یہ جاہلانہ طرزِ عمل اور ہمارے ''محرومِ یقیں'' ہونے کا ثبوت ہوگا:

﴿اَفَحُكۡمَ الۡجَاهِلِيَّةِ يَبۡغُوۡنَ ؕ وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكۡمًا لِّقَوۡمٍ يُّوۡقِنُوۡنَ ۝۵۰﴾

(المائدۃ)

''کیا یہ زمانۂ جاہلیت کے حکم کے خواہشمند ہیں؟ اور جو یقین رکھتے ہیں ان کے لیے اللہ سے اچھا حکم کس کا ہے؟''

یہ اللہ کی ہدایت سے محرومی کی سزا ہے کہ ایک طرف دورِ جاہلیت کی طرح آج بھی خواتین ظلم، جبر، استحصال، توہین اور تذلیل کا شکار ہیں اور دوسری طرف مغربی تہذیب کے زیرِ اثر آزادی، مساوات اور تحفظِ حقوق کے پُرفریب نعروں کے ذریعہ اُنہیں دھوکہ دیا جا رہا ہے:

میں نے دیکھا ہے کہ فیشن میں الجھ کر اکثر
تم نے اسلاف کی عزت کے کفن بیچ دیے
نئی تہذیب کی بے روح بہاروں کے عوض
اپنی تہذیب کے شاداب چمن بیچ دیے

اللہ تعالیٰ ہمیں قرآنِ حکیم سے ہدایت حاصل کرنے، اِس ہدایت پر انفرادی زندگی میں عمل کرنے اور اجتماعی زندگی میں اِس کے نفاذ کے لیے مال و جان سے جہاد کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!!

نبی اکرم ﷺ کی تواضع اور انکساری

رشید ارشد

سیدنا عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ اَوْحٰی اِلَیَّ اَنْ تَوَاضَعُوْا حَتّٰی لَا یَفْخَرَ اَحَدٌ عَلٰی اَحَدٍ وَلَا یَبْغِ اَحَدٌ عَلٰی اَحَدٍ)) (۱)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی ہے کہ تم تواضع (عاجزی وانکساری) اختیار کرو۔ یہاں تک کہ تم میں سے کوئی بھی دوسرے پر فخر نہ کرے، نہ زیادتی کرے''۔

انسان کے اندر جبلی طور پر یہ آرزو موجود ہے کہ وہ بلندی اور برتری چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ یہ بلندی اور دوسروں پر برتری صرف حسنات اور قربِ الٰہی میں تلاش کی جائے۔ مذکورہ بالا روایت میں فرمایا کہ دنیا کے معاملات میں برتری کی خواہش لازماً فخر وسرکشی پر منتج ہوتی ہے اس لیے تواضع ہی ان بیماریوں کا علاج ہے۔ اگر بلندی کی تمنا ہے، ایسی بلندی جو حقیقی ومستقل ہو، تو اس کے حصول کا ذریعہ صرف اور صرف تواضع ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ)) (۲)

''جو کوئی اللہ کے لیے تواضع اختیار کرے گا اللہ اسے بلندی ہی عطا کرے گا''۔

انسان یہ کوشش کرے کہ اللہ کے ہاں اونچا مقام پائے۔ نبی اکرم ﷺ عبد کامل تھے اور آپ ﷺ کی شخصیت کا بنیادی جوہر تواضع تھا۔ آپؐ کی سیرت مبارکہ میں ہمیں جا بجا تواضع کی جھلک ملتی ہے۔ احادیث کی کتابوں میں ان بکھرے ہوئے واقعات میں سے چند پیش خدمت ہیں۔ یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ ان احادیث میں ہمارے لیے کئی پہلوؤں سے نصائح وعبر ہیں، لیکن ہم خاص طور پر یہاں تواضع کے پہلو کو اُجاگر کریں گے۔

دوسرے انبیاء کرامؑ کے بارے میں آپ ﷺ کا رویہ

نبی اکرم ﷺ نے ایک موقع پر اپنے بارے میں فرمایا کہ میں قیامت کے دن بنی آدم کا سردار ہوں گا' لیکن ساتھ ہی تواضع کا کلمہ بھی فرما دیا کہ اس میں کوئی فخر نہیں ہے:

((اَنَا سَیِّدُ وَلَدِ آدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَلَا فَخْرَ)) (۳)

مسلمان بھی بالاجمال یہ مانتے ہیں کہ آپ ﷺ سید البشر ہیں' لیکن عام طور پر آپ ﷺ نے اس کو کبھی پسند نہیں کیا کہ آپ کے متبعین دوسرے انبیاء پر آپ ﷺ کو ترجیح دیں۔ یہ بھی آپ کی تواضع ہی کا مظہر ہے۔

ایک یہودی اور مسلمان کا جھگڑا ہوگیا اور مسلمان نے یہودی کو تھپڑ جڑ دیا۔ نزاع کا باعث یہ تھا کہ کیا محمد ﷺ افضل ہیں یا موسیٰ علیہ السلام۔ یہودی کو اصرار تھا کہ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو تمام جہان والوں میں برگزیدہ کیا' جبکہ مسلمان یہ دعویٰ نبی اکرم ﷺ کے بارے میں رکھتا تھا۔ یہودی شکایت لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ اس شخص نے مجھے تھپڑ مارا ہے۔ آپ ﷺ غضبناک ہوئے' یہاں تک کہ غضب کے آثار آپؐ کے چہرۂ مبارک پر ظاہر ہو گئے اور آپؐ نے فرمایا:

((لَا تُفَضِّلُوْا بَیْنَ اَنْبِیَاءِ اللّٰہِ)) (۴)

''انبیاء کے مابین فضیلتیں قائم نہ کیا کرو''۔

[نوٹ: ان تعلیمات میں ہمارے ہاں کے واعظوں کے لیے بڑی تنبیہ ہے۔ موجودہ دور میں وعظ کی ایک بڑی آفت یہ ہے کہ اس میں نبی ﷺ کا بکثرت تقابل دوسرے انبیاءؑ کے ساتھ کیا جاتا ہے اور ان کو کمتر دکھایا جاتا ہے' مثلاً یہ کہنا کہ موسیٰؑ نے تو دعا کی کہ ﴿رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ﴾ جبکہ اللہ کے نبیؐ کو بن مانگے شرح صدر عطا کیا گیا: ﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ﴾ یہ کہنا کہ ابراہیمؑ نے تو اللہ تعالیٰ سے طلب کیا: ﴿وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ﴾ جبکہ نبی اکرم ﷺ کو بن مانگے رفع ذکر عطا ہوا: ﴿وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ﴾ وغیرہ]

ایک مرتبہ ایسا ہی معاملہ سیدنا یونس علیہ السلام کے بارے میں ہوا' وہاں بھی آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا یَنْبَغِیْ لِعَبْدٍ اَنْ یَقُوْلَ اَنَا خَیْرٌ مِنْ یُوْنُسَ بْنِ مَتّٰی))(۵)

''کسی بندے کے لیے یہ روا نہیں ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں یونس بن متّی سے بہتر ہوں''۔

ایک مرتبہ نبی ﷺ سے پوچھا گیا' لوگوں میں سب سے باعزت (اَکْرَمُ النَّاسِ) کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''جو ان میں سب سے زیادہ متقی ہو''۔ لوگوں نے عرض کی کہ ہم یہ نہیں پوچھتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((فَیُوْسُفُ نَبِیُّ اللّٰہِ ابْنُ نَبِیِّ اللّٰہِ ابْنِ نَبِیِّ اللّٰہِ ابْنِ خَلِیْلِ اللّٰہِ))(۶)

''پھر یوسفؑ ہیں' جو بیٹے ہیں اللہ کے نبی کے' جو بیٹے ہیں اللہ کے نبی کے' جو بیٹے ہیں اللہ کے خلیل کے۔''

یہاں پر بھی قابل غور بات یہ ہے کہ آپ ﷺ نے حد درجہ تواضع کا اظہار کیا اور اپنے آپ کو ''اَکْرَمُ النَّاس'' نہیں کہا بلکہ سیدنا یوسف علیہ السلام کے بارے میں اس وصف کا اظہار کیا۔

سیدنا یوسف علیہ السلام ہی کی بابت آپؐ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر میں اتنی مدت تک قید خانے میں رہتا جتنی مدت یوسف علیہ السلام رہے تو میں بلانے والے کے پاس فوراً چلا جاتا:

((لَوْ لَبِثْتُ فِی السِّجْنِ طُوْلَ مَا لَبِثَ یُوْسُفُ لَاَجَبْتُ الدَّاعِیَ))(۷)

اشارہ اس واقعے کی طرف ہے جب بادشاہ نے خواب کی عمدہ تعبیر بتانے پر آپؑ کو بلایا اور قید سے آزادی دی تو آپؑ نے فرمایا کہ پہلے مجھ پر عائد تہمت کا فیصلہ ہونا چاہیے۔ نبی ﷺ فرما رہے ہیں کہ یہ تو سیدنا یوسف ہی کا تحمل ہے کہ وہ قید سے فوری رہا نہ ہوئے' میں ہوتا تو جلدی سے چلا جاتا۔ ظاہر ہے ایسا معاملہ آپ ﷺ کے ساتھ ہوا ہوتا تو آپ ﷺ بھی وہی رویہ اختیار کرتے جو ایک نبی کے شایان شان ہوتا ہے' لیکن یہ بات آپ ﷺ نے محض تواضع کے اظہار اور اپنے پیشرو کے اعزاز واکرام کے لیے فرمائی۔

آپ ﷺ کا طرز معاشرت

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ حضور ﷺ گھر میں کیا کرتے تھے؟ وہ کہنے لگیں:

کَانَ فِیْ مِھْنَۃِ اَھْلِہٖ ' فَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاۃُ قَامَ اِلَی الصَّلَاۃِ(۸)

''آپؐ گھر والوں کی خدمت میں لگے رہتے' جب نماز کا وقت ہوتا تو آپ ﷺ نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہو جاتے''۔

ایک اور روایت میں فرمایا:

کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَخْصِفُ نَعْلَہٗ وَیَخِیْطُ ثَوْبَہٗ وَیَعْمَلُ فِیْ بَیْتِہٖ کَمَا

يَعْمَلُ اَحَدُكُمْ فِيْ بَيْتِهٖ (۹)

''رسول اللہ ﷺ اپنا جوتا گانٹھتے' اپنا کپڑا سیتے اور اپنے گھر میں ایسے ہی کام کرتے جیسے تم میں سے کوئی شخص کرتا ہے''۔

اِذَا اسْتَقْبَلَهُ الرَّجُلُ فَصَافَحَهُ لَا يَنْزِعُ يَدَهُ مِنْ يَدِهٖ حَتّٰى يَكُوْنَ الرَّجُلُ يَنْزِعُ وَلَا يَصْرِفُ وَجْهَهُ عَنْ وَجْهِهٖ حَتّٰى يَكُوْنَ الرَّجُلُ هُوَ الَّذِيْ يَصْرِفُهُ (۱۰)

''نبی کریم ﷺ سے جب کوئی شخص ملتا اور مصافحہ کرتا تھا تو جب تک وہ شخص اپنا ہاتھ نہ کھینچ لیتا آپؐ اپنا ہاتھ نہ کھینچتے اور اپنا چہرہ بھی اس سے نہ پھیرتے جب تک کہ وہ خود اپنا چہرہ نہ پھیر لیتا''۔

☆ اللہ کے نبی ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مِسْكِيْنًا وَاَمِتْنِيْ مِسْكِيْنًا وَاحْشُرْنِيْ فِيْ زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنِ)) (۱۱)

''اے اللہ! مجھے مسکین زندہ رکھ' مسکین ہی وفات دے اور میرا حشر زمرۂ مساکین ہی میں رکھیو''۔

یہاں بھی مسکنت اپنے کسی منفی معنی میں نہیں بلکہ تواضع کے مفہوم میں ہے۔

☆ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((آكُلُ كَمَا يَاْكُلُ الْعَبْدُ وَاَجْلِسُ كَمَا يَجْلِسُ الْعَبْدُ)) (۱۲)

''میں ایسے کھاتا ہوں جیسے ایک غلام کھاتا ہے اور ایسے بیٹھتا ہوں جیسے ایک غلام بیٹھتا ہے''۔

☆ ایک صاحب نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو دیکھ کر قدرتی رعب اور دبدبے کے سبب سے ان پر لرزے کی کیفیت طاری ہوگئی۔ آپ ﷺ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

((هَوِّنْ عَلَيْكَ فَاِنِّيْ لَسْتُ بِمَلِكٍ ' اِنَّمَا اَنَا ابْنُ امْرَاَةٍ تَاْكُلُ الْقَدِيْدَ))

''دیکھو' آرام سے رہو' میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں' بلکہ میں تو ایک ایسی عورت کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت کھایا کرتی تھی''۔

سیدنا ابوذر غفاری اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَجْلِسُ بَيْنَ ظَهْرَىْ اَصْحَابِهٖ فَيَجِيْءُ الْغَرِيْبُ فَلَا يَدْرِىْ اَيُّهُمْ هُوَ حَتّٰى يَسْاَلَ فَطَلَبْنَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنْ نَجْعَلَ لَهٗ مَجْلِسًا يَعْرِفُهُ الْغَرِيْبُ اِذَا اَتَاهُ(۱۴)

''رسول اللہ ﷺ لوگوں کے درمیان تشریف فرما ہوتے' کوئی اجنبی آتا تو آپ کو پہچان نہ پاتا۔ چنانچہ ہم نے آپؐ سے مطالبہ کیا کہ ہم آپ کے لیے بیٹھنے کی ایک جگہ بنا دیں تاکہ اجنبی آدمی آپ کو پہچان سکے''۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

لَمْ يَكُنْ شَخْصٌ اَحَبَّ اِلَيْهِمْ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ وَكَانُوْا اِذَا رَاَوْهُ لَمْ يَقُوْمُوْا لِمَا يَعْلَمُوْنَ مِنْ كَرَاهِيَتِهٖ لِذٰلِكَ(۱۵)

''صحابہ کرامؓ کے نزدیک نبی اکرم ﷺ سے بڑھ کر محبوب و محترم کوئی نہیں تھا مگر وہ آپ ﷺ کے لیے کھڑے نہیں ہوتے تھے' کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ بات آپ ﷺ کو ناگوار گزرتی ہے''۔

قَالَ اَنَسٌ كُنْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَمَرَّ عَلٰى صِبْيَانٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ(۱۶)

''سیدنا انسؓ کہتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے ہمراہ تھا' ہمارا گزر بچوں پر ہوا تو آپ ﷺ نے بچوں کو سلام کیا''۔

سیدہ اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَرَّ فِى الْمَسْجِدِ يَوْمًا وَعُصْبَةٌ مِنَ النِّسَاءِ قُعُوْدٌ فَاَلْوٰى بِيَدِهٖ بِالتَّسْلِيْمِ (۱۷)

''ایک دن رسول اللہ ﷺ مسجد میں سے گزرے اور عورتوں کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی تو آپؐ نے سلام کے لیے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا''۔

☆ مطرف اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں بنی عامر کے وفد کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا' انہوں نے کہا: **اَنْتَ سَيِّدُنَا** ''آپ ہمارے سردار ہیں''۔ آپ ﷺ نے فرمایا: **((اَلسَّيِّدُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى))** ''سید تو اللہ تبارک وتعالیٰ ہے''۔ ان لوگوں نے پھر کہا: **وَاَفْضَلُنَا فَضْلًا وَاَعْظَمُنَا طَوْلًا** ''اور آپؐ ہم سے زیادہ

فضیلت والے ہیں اور ہم سے بڑے مرتبے والے ہیں''۔آپ ﷺ نے فرمایا: ((قُوْلُوْا بِقَوْلِكُمْ اَوْ بَعْضِ قَوْلِكُمْ وَلَا يَسْتَجْرِيَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ))(۱۸) ''تم اپنی وہ بات کہو جس کے لیے آئے ہو' کہیں شیطان تم کو اپنے ساتھ لے کر نہ چل دے''۔

مَا رُئِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَاْكُلُ مُتَّكِئًا قَطُّ وَلَا يَطَأُ عَقِبَهُ رَجُلَانِ(۱۹)

''نبی کریم ﷺ کو کبھی ٹیک لگا کر کھاتے ہوئے نہیں دیکھا گیا اور نہ کبھی یہ دیکھا گیا کہ آپ کے پیچھے پیچھے دو آدمی ہی چل رہے ہوں''۔

☆ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ اِذَا اَكَلَ طَعَامًا لَعِقَ اَصَابِعَهُ الثَّلَاثَ (۲۰)

''جب رسول اللہ ﷺ کھانا تناول فرماتے تو اپنی تینوں انگلیاں چاٹ لیتے''۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا سَقَطَتْ لُقْمَةُ اَحَدِكُمْ فَلْيُمِطْ عَنْهَا الْاَذَى وَلْيَاْكُلْهَا وَلَا يَدَعْهَا لِلشَّيْطَانِ ، وَاَمَرَنَا اَنْ نَسْلُتَ الْقَصْعَةَ ، قَالَ فَاِنَّكُمْ لَا تَدْرُوْنَ فِيْ اَيِّ طَعَامِكُمُ الْبَرَكَةُ)) (۲۱)

''جب تم میں سے کسی کا لقمہ گر پڑے تو اس سے وہ مٹی کو دور کر کے اس کو کھا لے اور اس کو شیطان کے لیے نہ چھوڑے''۔اور آپ ؐ نے ہمیں حکم فرمایا کہ ہم پیالے کو چاٹ لیا کریں۔آپ ؐ نے مزید ارشاد فرمایا: ''تم نہیں جانتے ہو کہ تمہارے کون سے کھانے میں برکت ہے''۔

مَا خُيِّرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَيْنَ اَمْرَيْنِ اِلَّا اَخَذَ اَيْسَرَهُمَا مَا لَمْ يَكُنْ اِثْمًا ، فَاِنْ كَانَ اِثْمًا كَانَ اَبْعَدَ النَّاسِ مِنْهُ ، وَمَا انْتَقَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِنَفْسِهٖ اِلَّا اَنْ تُنْتَهَكَ حُرْمَةُ اللّٰهِ فَيَنْتَقِمَ لِلّٰهِ بِهَا(۲۲)

''جب بھی نبی کریم ﷺ کو کسی معاملے میں دو راستوں کا اختیار دیا جاتا تو آپ ؐ ہمیشہ آسان راستہ اختیار فرماتے جب تک کہ اُس میں کسی گناہ کا پہلو نہ ہوتا۔پس اگر اُس میں کسی گناہ کا پہلو ہوتا تو آپ ؐ اس سے سب سے زیادہ دور رہنے والے ہوتے تھے۔اور آپ ؐ نے اپنی ذات کے لیے کبھی انتقام نہیں لیا' البتہ اگر اس سے اللہ کی حرمت پامال ہو رہی ہوتی تو آپ ؐ اللہ کے لیے اُس کا انتقام لیتے''۔

اس رویے میں جہاں ایک طرف اُمت کی رعایت مقصود ہے وہاں اپنی عاجزی، شکستگی اور تواضع کا اظہار بھی ہے۔

☆ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے جس پیغمبر کو بھی بھیجا اس نے بکریاں چرائیں''۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اور آپ ؐ نے بھی؟ آپ ؐ نے فرمایا:

((نَعَمْ كُنْتُ اَرْعَاهَا عَلٰى قَرَارِيْطَ لِاَهْلِ مَكَّةَ)) (۲۳)

''جی ہاں، میں اہل مکہ کی بکریاں چند قیراط پر چراتا تھا''۔

كَانَ لَا يُدْفَعُ عَنْهُ النَّاسُ وَلَا يُضْرَبُوْا عَنْهُ (۲۴)

''جب آپ ؐ چلتے تو بڑے لوگوں کی طرح نہ تو لوگوں کو آپ سے دُور کیا جاتا اور نہ لوگوں کو مار کے ہٹایا جاتا''

☆ سیدنا قدامہ بن عبداللہ ؓ کہتے ہیں:

رَاَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَرْمِي الْجِمَارُ عَلٰى نَاقَةٍ لَيْسَ ضَرْبٌ وَّلَا طَرْدٌ وَلَا اِلَيْكَ اِلَيْكَ (۲)

''میں نے نبی ﷺ کو اونٹنی پر بیٹھ کر رمی جمار کرتے دیکھا، نہ لوگوں کو آپ سے دور کرنے کے لیے مارا گیا، نہ ہٹایا گیا اور نہ آپ ﷺ کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا گیا''۔

لوگوں کی دل جوئی اور حاجت روائی

☆ سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

اِنْ كَانَتِ الْاَمَةُ مِنْ اِمَاءِ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ لَتَاْخُذُ بِيَدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَنْطَلِقُ بِهٖ حَيْثُ شَاءَتْ (۲۶)

''مدینہ کی باندیوں میں سے کوئی باندی نبی اکرم ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر (مشکلات اور مصائب کے حل کے لیے) جہاں چاہتی آپ ؐ کو لے جاتی''۔

☆ سیدنا انس ؓ فرماتے ہیں کہ:

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُخَالِطُنَا (۲۷)

''نبی اکرم ﷺ ہم سے گھل مل جاتے تھے''۔

☆ سیدنا ابو رفاعہ تمیم بن اسید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت

میں حاضر ہوا جبکہ آپ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ میں نے کہا' اے اللہ کے رسول! ایک مسافر آدمی اپنے دین کی بابت پوچھنے آیا ہے' وہ نہیں جانتا کہ اس کا دین کیا ہے؟ پس رسول اللہ ﷺ میری طرف متوجہ ہوئے اور اپنا خطبہ چھوڑ دیا' حتیٰ کہ میرے پاس آ گئے' چنانچہ آپ کے لیے ایک کرسی لائی گئی جس پر آپ فروکش ہو گئے اور اللہ نے آپ کو جو احکام سکھلائے تھے وہ مجھے سکھلانے لگے۔ پھر اپنے خطبے کی طرف آئے اور اس کے آخری حصے کو مکمل فرمایا۔ (مسلم)

☆ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے عمرہ کے لیے اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَیْ اُخَیَّ اَشْرِکْنَا فِیْ دُعَائِکَ وَلَا تَنْسَنَا))(۲۸)

''اے چھوٹے بھائی! ہمیں اپنی دعاؤں میں شریک رکھنا اور ہمیں بھولنا مت''۔

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی عضباء نامی اونٹنی تھی جس سے کوئی اونٹ سبقت نہیں کر سکتا تھا۔ ایک دیہاتی اپنے اونٹ پر سوار ہو کر آیا اور اس سے آگے نکل گیا۔ یہ بات مسلمانوں پر گراں گزری' یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اس گرانی کو پہچان لیا۔ پس آپ ﷺ نے فرمایا:

((حَقٌّ عَلَی اللّٰہِ اَنْ لَّا یَرْتَفِعَ شَیْءٌ مِنَ الدُّنْیَا اِلَّا وَضَعَہٗ)) (۲۹)

''اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ جو بھی چیز دنیا میں بلند ہے اس کو نیچا کر دے''۔

☆ سفر تبوک سے واپسی پر رات کے سفر کے اثر سے سواریاں تتر بتر ہو گئیں اور سوار اونگھنے لگے' لیکن سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے ساتھ لگے رہے۔ جب آپ ﷺ نے دیکھا کہ لوگ منتشر ہو گئے ہیں تو فرمایا کہ میرا یہ خیال نہیں تھا کہ لوگ مجھ سے اتنی دور ہوں گے۔ سیدنا معاذؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! لوگ کچھ اونگھ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((وَاَنَا کُنْتُ نَاعِسًا)) (۳۰)

''میں خود بھی اونگھ رہا تھا''۔

یہ بھی نبی ﷺ کی تواضع کا ہی مظہر ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے آپ کو دوسروں سے ماوراء ثابت کرنے کی کوشش نہیں بلکہ ان کی دلجوئی کے حوالے سے اپنے اونگھنے کا ذکر کیا۔

یَاْتِیْ ضُعَفَاءَ الْمُسْلِمِیْنَ وَیَزُوْرُھُمْ وَیَعُوْدُ مَرْضَاھُمْ وَیَشْھَدُ جَنَائِزَھُمْ(۳۱)

''اللہ کے رسول ﷺ کمزور مسلمانوں کی زیارت کے لیے جایا کرتے تھے' مریضوں کی عیادت کرتے اور مسلمانوں کے جنازوں میں شرکت فرماتے''۔

كَانَ يَزُوْرُ الْاَنْصَارَ وَيُسَلِّمُ عَلٰى صِبْيَانِهِمْ وَيَمْسَحُ رُؤُوْسَهُمْ (۳۲)

''آپ ﷺ انصار سے ملاقات کے لیے جاتے' ان کے بچوں کو سلام کہتے اور ان کے سر پر (شفقت سے) ہاتھ پھیرتے''۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ الذِّكْرَ وَيُقِلُّ اللَّغْوَ وَيُطِيْلُ الصَّلَاةَ وَيُقَصِّرُ الْخُطْبَةَ وَلَا يَأْنَفُ اَنْ يَمْشِيَ مَعَ الْاَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِيْنِ فَيَقْضِيَ لَهُ الْحَاجَةَ)) (۳۳)

''اللہ کے رسول ﷺ ذکر کی کثرت کرتے تھے اور لغو سے دور رہتے تھے۔ لمبی نماز پڑھتے تھے' مختصر خطبہ دیتے تھے اور کبھی کسی بیوہ یا مسکین کے ساتھ چل کر اس کی حاجت روائی میں کوئی عار محسوس نہ کرتے تھے''۔

☆ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لَوْ دُعِيْتُ اِلٰى ذِرَاعٍ اَوْ كُرَاعٍ لَاَجَبْتُ وَلَوْ اُهْدِيَ اِلَيَّ ذِرَاعٌ اَوْ كُرَاعٌ لَقَبِلْتُ)) (۳٤)

''اگر مجھے بکری کے پائے یا بازو کھانے کی دعوت دی جائے تو میں ضرور قبول کروں اور اگر میرے پاس پائے یا بازو ہدیۃً بھیجے گئے تو میں ضرور قبول کروں گا''۔

كَانَ يَجْلِسُ عَلَى الْاَرْضِ وَيَاْكُلُ عَلَى الْاَرْضِ وَيَعْتَقِلُ الشَّاةَ وَيُجِيْبُ الْمَمْلُوْكَ عَلٰى خُبْزِ الشَّعِيْرِ (۳۵)

''نبی ﷺ زمین پر بیٹھتے' زمین پر بیٹھ کر کھاتے' بکری کا دودھ دوہتے اور غلاموں کی طرف سے جو کی روٹی کی دعوت بھی قبول فرما لیتے''۔

نبی اکرم ﷺ کی سیرت کے حوالے سے یہ بات واضح ہے کہ تواضع بندہ مؤمن کے بنیادی اخلاقیات میں سے ہے۔ یہ ایک ایسی اخلاقی صفت ہے جس کے بغیر اُس کی شخصیت یکسر ادھوری اور نامکمل رہتی ہے۔ اسی لیے قرآن حکیم اور سنت رسولؐ میں تواضع اور انکساری کی جا بجا تعلیم دی گئی ہے اور تکبر اور عُجب سے منع کیا گیا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں شعوری طور پر تواضع کو اختیار کرنے اور تکبر سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے' آمین!

حواشی

(۱) صحيح مسلم' كتاب الجنة وصفة نعيمها واهلها' باب الصفات التى يعرف بها فى

الدنيا اهل الجنة واهل.....

(٢) صحيح مسلم، كتاب البر والصلة والآداب، باب استحباب العفو والتواضع۔

(٣) سنن الترمذی، كتاب تفسير القرآن عن رسول اللهﷺ، باب ومن سورة بنی اسراء يل۔

(٤) صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب من فضائل موسیٰ۔

(٥) صحيح البخاری، كتاب احاديث الانبياء، باب قول اللّٰه تعالیٰ : وهل اتاك حديث موسی وكلم الله۔

(٦) صحيح البخاری، كتاب احاديث الانبياء، باب قول اللّٰه تعالی : واتخذ الله ابراهيم خليلا۔

(٧) صحيح البخاری، كتاب احاديث الانبياء، باب قوله عزوجل: ونبئهم عن ضيف ابراهيم۔

(٨) صحيح البخاری، كتاب الادب، باب كيف يكون الرجل فی اهله۔

(٩) مسند احمد۔

(١٠) سنن الترمذی، كتاب صفة القيامة والرقائق والورع عن رسول اللهﷺ، باب منه۔

(١١) سنن الترمذی، كتاب الزهد عن رسول اللهﷺ، باب ما جاء ان فقراء المهاجرين يدخلون الجنة قبل.....

(١٢) البانی، السلسلة الصحيحة۔

(١٣) سنن ابن ماجه، كتاب الاطعمة، باب القديد۔

(١٤) سنن ابی داوٗد، كتاب السنة، باب فی القدر۔

(١٥) سنن الترمذی، كتاب الادب عن رسول اللهﷺ، باب ما جاء فی كراهية قيام الرجل للرجل۔

(١٦) سنن الترمذی، كتاب الاستئذان والآداب عن رسول اللهﷺ، باب ما جاء فی التسليم علی الصبيان۔

(١٧) سنن الترمذی، كتاب الاستئذان والآداب عن رسول اللهﷺ، باب ما جاء فی التسليم علی النساء۔

(١٨) سنن ابی داوٗد، كتاب الادب، باب فی كراهية التمادح۔

(١٩) سنن ابی داوٗد، كتاب الاطعمة، باب ما جاء فی الاكل متكئًا۔

(٢٠) صحيح مسلم، كتاب الاشربة، باب استحباب لعق الاصابع والقصعة واكل اللقمة الساقطة۔

(٢١) صحيح مسلم، كتاب الاشربة، باب استحباب لعق الاصابع والقصعة واكل اللقمة الساقطة۔

(٢٢) صحيح البخاری، كتاب المناقب، باب صفة النبیﷺ۔

(٢٣) صحيح البخاری، كتاب الاجارة، باب رعی الغنم علی قراريط۔

(٢٤) طبرانی۔

(٢٥) سنن الترمذی، كتاب الحج عن رسول اللهﷺ، باب ما جاء فی كراهية طرد الناس عن رمی الجمار۔

(٢٦) صحيح البخارى، كتاب الادب، باب الكبر۔
(٢٧) سنن الترمذى، كتاب البر والصلة عن رسول اللهﷺ، باب ما جاء فى المزاح۔
(٢٨) سنن الترمذى، كتاب الدعوات عن رسول اللهﷺ، باب فى دعاء النبىﷺ۔
(٢٩) صحيح البخارى، كتاب الجهاد والسير، باب ناقة النبىﷺ۔
(٣٠) مسند احمد، كتاب مسند الانصار، باب حديث معاذ بن جبل۔
(٣١) مستدرك حاكم۔
(٣٢) ابن حبان۔
(٣٣) سنن النسائى، كتاب الجمعة، باب ما يستحب من تقصير الخطبة۔
(٣٤) صحيح البخارى، كتاب الهبة وفضلها والتحريض عليها، باب القليل من الهبة۔
(٣٥) صحيح الجامع الصغير۔

خلیفہ کا تقرر بنیادی ترین فریضہ

حافظ طاہر اسلام عسکری ☆

یہ مضمون شیخ عبداللہ بن عمر بن سلیمان الدمیجی کی کتاب ''الامامة العظمٰی'' سے لیا گیا ہے۔ موصوف کی یہ کتاب دراصل جامعہ اُمّ القریٰ سے ان کا ایم اے کی سطح کا مقالہ ہے۔

مسلمانوں کے سوادِ اعظم کا تقرِ امام کی فرضیت پر اتفاق ہے۔ خوارج کے گروہ نجدات اور معتزلہ میں سے اُصم اور فوطی کے علاوہ اس اجماع سے کسی نے انحراف نہیں کیا۔ امام ابن حزمؒ لکھتے ہیں:

> ''تمام اہل سنت' مرجئہ' شیعہ اور خوارج کا اس بات پر اجماع ہے کہ امامت فرض ہے اور اُمت کے لیے عادل حکمران کی اطاعت ضروری ہے' جو ان میں احکامِ الٰہی کا نفاذ کرے اور احکامِ شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مطابق ان کے معاملات کا انتظام کرے۔ اس متفقہ رائے کی مخالفت صرف نجدات (جو خوارج کا ایک فرقہ ہے) نے کی ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ لوگوں کے لیے حاکم کی تقرری فرض نہیں بلکہ اپنے مابین حق کو قائم کرنا ہی ان کی اصل ذمہ داری ہے۔'' (۱)

امام قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ:

> ''اُمت اور ائمہ کے درمیان امامت کی فرضیت میں کوئی اختلاف نہیں۔ لیکن اُصم نے اس سے اختلاف کیا ہے' کیونکہ وہ شریعت سے بھی اصم یعنی بہرا تھا اور یہی حال ہر اُس شخص کا ہے جو اس کی رائے اور نقطۂ نظر کی پیروی کرتا ہے۔''(۲)

امامت کو فرض کہنے والوں میں سے اہل سنت اور اکثر معتزلہ تو ازروئے شرع اس کی فرضیت کے قائل ہیں' جبکہ شیعہ اور بعض معتزلہ کے نزدیک امامت عقل کی رو سے فرض ہے۔ پھر شیعہ تو اسے اللہ پر واجب قرار دیتے ہیں' حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کی اس بات سے بہت بلند و بالا ہے۔

(۱) ریسرچ ایسوسی ایٹ' قرآن اکیڈمی لاہور

جبکہ معتزلۂ بغداد اور جاحظ (جو بصرہ کے معتزلہ میں سے ہے) اسے لوگوں پر لازم سمجھتے ہیں۔

اہل سنت کے دلائل

ہم کہتے ہیں کہ اہل سنت کے نزدیک امامت فرض ہے اور مسلمانوں کے لیے ایسے امام کا ہونا ضروری ہے جو اُن میں دینی شعائر کو قائم کرے اور مظلوموں کو ظالموں کے ظلم سے نجات دلائے اور انہیں انصاف فراہم کرے۔ اہل سنت اس سلسلے میں کتاب وسنت، اجماع اور قواعدِ شرعیہ میں سے جن دلائل سے استدلال کرتے ہیں ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) قرآنی دلائل

☆ پہلی دلیل : ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾

(النساء:۵۹)

''اے ایمان والو! اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور اُولوالامر کا جو تم میں سے ہوں۔''

امام طبریؒ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ:

''اُولی الامر سے مراد اُمراء ہیں''۔(۳)

اس سلسلے میں مختلف اقوال ذکر کرنے کے بعد امام طبریؒ لکھتے ہیں:

''اس کی تفسیر میں سب سے بہتر قول یہ ہے کہ اُولی الامر سے مراد امراء وحکام ہیں اور ان کی اطاعت ہر اُس معاملے میں ضروری ہے جو اللہ کی اطاعت میں داخل ہو اور اس میں مسلمانوں کی مصلحت ہو''۔(٤)

امام ابن کثیرؒ کہتے ہیں:

''ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت تمام اولی الامر کے بارے میں عام ہے چاہے وہ امراء ہوں یا علماء.....'' (٥)

اور یہی بات راجح ہے۔

اس آیت سے استدلال یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا ہے جو کہ حکمران ہیں۔ ان کی اطاعت کا حکم اس امر کی دلیل ہے کہ امیر کا تقرر فرض ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کی اطاعت کا حکم نہیں دیتے جس کا وجود ہی نہ ہو اور نہ ہی اس شخص کی اطاعت کو

واجب کرتے ہیں جس کا وجود مستحب ہو۔ امیر کی اطاعت کا حکم اس بات کا متقاضی ہے کہ کوئی امیر مقرر کیا جائے۔ پس اس آیت کی رو سے مسلمانوں پر حکمران کا تقرر کرنا فرض ہے۔

☆ دوسری دلیل: اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

﴿فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ﴾ (المائدۃ:٤٨)

''پس آپؐ ان کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کریں اور (اللہ کی طرف سے) جو سچی بات آپؐ کو پہنچی ہے اس کو چھوڑ کر ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کریں۔''

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ﴾ (المائدۃ:٤٩)

''اور آپؐ ان کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کریں اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں اور ان سے بچیں کہ کہیں وہ آپؐ کو آپ کی طرف اللہ کے نازل کردہ کسی حکم سے بہکا نہ دیں۔''

یہاں اللہ کا اپنے رسولؐ کو حکم ہے کہ آپؐ مسلمانوں کے مابین اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلہ کریں، اور جب تک تخصیص کی دلیل نہ ہو رسولؐ کو دیا گیا حکم اُمت کے لیے بھی ہوتا ہے، اور یہاں اس حکم کے رسولؐ کے ساتھ مخصوص ہونے کی کوئی دلیل نہیں، لہٰذا یہ حکم قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کے لیے ہے کہ وہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کی عمل داری قائم کریں۔ اور امامت قائم کرنے کے علاوہ شریعت کی عمل داری قائم کرنے کا کوئی معنی نہیں، کیونکہ اللہ کے حکم کا نفاذ امام کے فرائض منصبی میں سے ہے اور اللہ کا حکم تقرر امامت کے بغیر کامل طور پر قائم نہیں ہوسکتا۔ پس وہ تمام آیات جن میں اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم ہے، تقرر امام کی فرضیت کی دلیل ہیں۔

☆ تیسری دلیل: فرضیتِ امامت کے قرآنی دلائل میں سے اللہ کا یہ فرمان بھی ہے:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ

يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿۲۵﴾ (الحدید)

''بلاشبہ ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ ہم نے کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں' اور ہم نے لوہا (بھی) نازل کیا جس میں بڑا زور ہے اور لوگوں کے لیے اور فائدے بھی ہیں' اور اس لیے بھی کہ اللہ کو معلوم ہو جائے (وہ ظاہر کر دے) کہ اسے دیکھے بغیر کون اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے' یقیناً اللہ بڑا طاقتور زبردست ہے''۔

پس پیغمبروں اور ان کے بعد آنے والے ان کے پیروکاروں کا اصل مشن یہ تھا کہ وہ لوگوں کے مابین عدل و انصاف قائم کریں اور اس سلسلے میں پوری قوت سے دین کی نصرت وحمایت کریں۔ اور رسولوں کے متبعین کے لیے یہ کام ایسے امام کے تقرر کے بغیر ممکن نہیں جو اُن میں نظامِ عدل قائم کرے اور ان کے حمایتی لشکروں کو منظّم کرے۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

''دین حق کے لیے ضروری ہے کہ اس میں راہنما کتاب کے ساتھ مدد کرنے والی تلوار بھی ہو۔ کتاب (شریعت) اللہ کے اوامر و نواہی کی وضاحت کرے اور تلوار اس کی تائید و نصرت کرے''۔(٦)

☆ جو نہی دلیل: حدود و قصاص اور اس طرح کے دیگر احکام جن کے لیے حکمران کا ہونا لازمی ہے' سے متعلقہ تمام آیات بھی امامت کی فرضیت کے قرآنی دلائل میں شامل ہیں۔ نیز وہ آیات بھی جن میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو واجب کہا گیا ہے۔

امر واقعہ یہ ہے کہ وہ تمام قرآنی آیات جو ان احکام کے فیصلے کے بارے میں نازل ہوئی ہیں' جن کا تعلق حکومت اور اس کے معاملات سے ہے' ان کی اصل بنیاد یہ ہے کہ اسلامی معاشرے میں شرعی حکومت اور عمومی قیادت کا وجود ایک ایسا امر ہے جو نہ محتاجِ ثبوت ہے اور نہ اس کی فرضیت میں کسی بحث کی گنجائش ہے' کیونکہ جن احکام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ ان امور میں سے ہیں جن کی تعمیل اور نفاذ حکمران کی موجودگی پر منحصر ہے' اس لیے کہ یہ اس کی ذمہ داریوں اور فرائضِ منصبی میں شامل ہے۔ پس اس طرح کے احکام کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اسلامی معاشرے میں شرعی حکومت اور امامت کی فرضیت کا حکم پہلے ہی سے موجود ہو۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ امامت کی فرضیت اور مسلم معاشرے میں اسلامی اقتدار کا قیام شریعت اسلامیہ کی بدیہیات وضروریات میں سے ہے۔

(۲) سنتِ رسول ﷺ سے دلائل

اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ کی قولی اور فعلی سنت سے الگ الگ دلائل پیش کیے جاتے ہیں:

(ا) قولی احادیث سے دلیل

رسول معظم ﷺ سے بہت سی ایسی احادیث مروی ہیں جو تقررِ امام کی فرضیت پر دلالت کناں ہیں۔ان دلائل میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

☆ دلیل اوّل: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی مکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

((مَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِيْ عُنُقِهٖ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً))(۷)

''جو شخص اس حالت میں مرا کہ اس کی گردن میں بیعت کا قلادہ نہ تھا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔''

یہاں بیعت سے مراد حکمران کی بیعت ہے اور یہ امام کے تقرر کی فرضیت کی واضح دلیل ہے' کیونکہ جب ہر مسلمان کے لیے بیعت فرض ہے اور بیعت امام کے بغیر نہیں ہوتی تو تقررِ امام فرض ہوا۔

☆ دلیل دوم: سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ معظم ﷺ نے فرمایا:

''جب تین اشخاص سفر کے لیے نکلیں تو انہیں چاہیے کہ اپنے میں سے ایک کو امیر بنالیں''۔

اسی کی مثل سیدنا ابوہریرہ اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَحِلُّ لِثَلَاثَةٍ يَكُوْنُوْنَ بِفَلَاةٍ مِنَ الْاَرْضِ اِلَّا اَمَّرُوْا اَحَدَهُمْ))(۸)

''تین اشخاص کے لیے خواہ وہ بیابان ہی میں کیوں نہ ہوں' سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ وہ اپنے میں سے ایک کو امیر مقرر کرلیں''۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جب رسول کریم ﷺ نے قلیل ترین جماعت اور سب سے چھوٹے گروہ کے لیے بھی ضروری قرار دیا کہ ان میں سے ایک کو ذمہ دار بنایا جائے تو اس سے زیادہ تعداد میں بھی یہ (بالاولیٰ) ضروری قرار پائے گا''۔(۹)

☆ دلیل سوم: ان دلائل میں سیدنا ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ کی روایت بھی ہے جسے انہوں نے رسول اکرم ﷺ سے بیان کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

((لَيَنْقَضُنَ عُرَى الْإِسْلَامِ عُرْوَةً عُرْوَةً، فَكُلَّمَا انْتَقَضَتْ عُرْوَةٌ تَشَبَّثَ النَّاسُ بِالَّتِيْ تَلِيْهَا، وَاَوَّلُهُنَّ نَقْضًا الْحُكْمُ وَآخِرُهُنَّ الصَّلَاةُ))(۱۰)

''اسلام کی کڑیاں ایک ایک کر کے ٹوٹیں گی، جب بھی کوئی کڑی ٹوٹے گی لوگ اس کے بعد والی سے چمٹ جائیں گے۔ان میں سے پہلی کڑی حکومت (حق) کا خاتمہ ہے اور آخری کڑی نماز ہے''۔

استاذ عبدالکریم زیدان کہتے ہیں:

''الحکم سے مراد اسلامی طریقے کے مطابق فیصلہ کرنا ہے۔اس میں ایسے خلیفہ کا وجود لازمی طور پر داخل ہے جو اس کو قائم کرے، اور اس کے ٹوٹنے سے مراد یہ ہے کہ اس سے دستبرداری اختیار کر لی جائے اور اس کی پابندی نہ کی جائے۔ یہاں اسے نماز کے ضائع ہونے سے ملایا گیا ہے جس سے اس کی فرضیت ثابت ہوتی ہے''۔(۱۱)

☆دلیل چہارم: اسی طرح سنن میں وارد سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی وہ مشہور روایت بھی فرضیتِ امامت کی دلیل ہے کہ ایک طویل حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّـهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ ، تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ ، وَاِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَـةٌ))(۱۲)

''تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ عنقریب بہت سے اختلافات دیکھے گا۔تو تم پر میرے اور نیک و ہدایت یافتہ خلفاء کے طریقے کی پیروی لازم ہے۔اسے مضبوطی سے تھام لو اور دانتوں سے اچھی طرح پکڑ لو اور نئی باتوں سے بچو، اس لیے کہ ہر نئی بات بدعت اور ہر بدعت گمراہی ہے''۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ انہوں نے رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کی، پھر سیدنا صدیق اکبرؓ نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر کیا اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے چھ افراد میں سے ایک کو حکمران بنانے کی ہدایت کی، جنھوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا۔شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد صحابہؓ نے سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی۔یہ ہے خلافت کے باب میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت، کہ اس کے تقرر میں سہل انگاری سے کام نہ لیا جائے۔پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی رو سے اس سلسلے میں صحابہؓ کی اقتداء لازم ٹھہری۔

علاوہ ازیں وہ تمام احادیث بھی مسلمان حکمران کی موجودگی کی متقاضی ہیں جن میں حکام کی اطاعت کو فرض کہا گیا ہے بشرطیکہ وہ معصیت پر مبنی نہ ہو۔ اسی طرح وہ احادیث ہیں جن میں بیعت کرنے، پہلے سے کی گئی بیعت کو پورا کرنے، مسلمانوں کے حکام کے خلاف بغاوت کی حرمت اور امام برحق کے خلاف دعوائے حکومت کرنے والے کو قتل کرنے کی ترغیب کا بیان ہے۔ پس ثابت ہوا کہ امام کا تقرر فرض ہے۔ واللہ اعلم!

(ب) فعلی احادیث سے دلائل

یہ بات شک وشبہ سے بالا ہے کہ رسول معظم ﷺ نے مدینہ منورہ میں پہلی اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی اور آپؐ اس کے پہلے حکمران تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو تیار کر دیا کہ جو اللہ اور اس کے رسولؐ کے مددگار بنتے تو نبی مکرم ﷺ ارکانِ سلطنت کو مستحکم کرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ چنانچہ آپؐ نے اوس وخزرج کے مابین الجھے ہوئے معاملات اور قدیم ومہلک جنگوں کو ختم کر کے صلح کرائی، پھر آپؐ نے مہاجرین وانصار کے درمیان مؤاخات قائم کی اور دین کی نشر واشاعت اور سلطنت کے دفاع کے لیے جہادی لشکر منظم کیے۔ آپؐ نے قریبی ممالک کے بادشاہوں کو اسلام کی دعوت پیش کرنے کے لیے داعی اور ایلچی روانہ کیے، یہود اور دیگر گروہوں کے ساتھ عہد وپیمان اور معاہدات کیے۔ آپؐ نے جنگ، اہل ذمہ اور قیدیوں کے بارے میں احکام کو واضح کیا اور حکم الٰہی کے مطابق مسلمانوں کے بیت المال کے انتظام وتقسیم کا اہتمام کیا۔ آپؐ نے مسلمانوں کے امور کے انتظام وانصرام کے لیے حکام اور قاضی مقرر کیے اور شرعی حدود اور سزائیں نافذ کیں۔ اس کے علاوہ بھی حکومت سے تعلق رکھنے والے امور اور امامت کے فرائض منصبی سرانجام دیے۔ امام شاطبیؒ فرماتے ہیں:

> ''یہ امر ثابت شدہ ہے کہ اس وقت تک رسول معظم ﷺ کی وفات نہیں ہوئی جب تک آپؐ نے دین ودنیا سے متعلق ہر اس مسئلے کی وضاحت نہیں فرما دی جس کی ضرورت پیش آ سکتی تھی، اور اہل سنت میں سے کوئی بھی اس کا مخالف نہیں''۔ (۱۳)

یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ نبی مکرم ﷺ کا اس سلطنت کو قائم کرنا اور اس کی سربراہی کرنا اپنی ذات کے لیے مقصود نہ تھا، بلکہ یہ تو دین کے ان لوازمات میں سے تھا جن کے بغیر دین مکمل نہیں ہو سکتا۔ قریش نے تو ابتدا ہی میں بغیر کسی سعی ومشقت کے محض بتوں پر ترکِ تنقید کے عوض آپؐ کو حکومت کی پیشکش کی تھی، لیکن آپؐ نے اسے یکسر مسترد کر دیا۔ (۱۴)

رسول اللہ ﷺ کا واحد ہدف یہ تھا کہ رسالت کی تبلیغ کی جائے‘ اس کے لیے لوگوں کو آمادہ کیا جائے اور اس مقصد تک پہنچانے والے تمام وسائل کو اختیار کیا جائے۔ انہی وسائل میں اسلامی مملکت کا قیام بھی شامل ہے‘ لہٰذا اس اعتبار سے یہ واجب ہوا‘ کیونکہ یہ دین کے لوازمات میں سے ہے۔ استاذ عبدالقادر عودہؒ کہتے ہیں:

’’رسول کریم ﷺ نے مسلمانوں میں سیاسی وحدت قائم کی اور انہیں اکٹھا کر کے ایک مملکت قائم کی‘ جس کے سب سے بڑے قائد اور سربراہ آپؐ خود تھے۔ آپؐ کی دو ذمہ داریاں تھیں: (۱) اللہ کے پیغام کو دوسروں تک پہنچانا۔ (۲) اللہ کے قانون کو نافذ کرنا اور ریاست کے انتظام وانصرام کو وحی کے مطابق چلانا۔ عہد تبلیغ نبی مکرم ﷺ کی وفات اور انقطاعِ وحی کے بعد ختم ہو گیا۔ رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد لوگوں کو تبلیغ کی ضرورت نہ رہی‘ کیونکہ قرآن وسنت موجود ہیں☆۔ لیکن نبی مکرم ﷺ کے مسلمانوں کی سیاسی وحدت کے قیام کے بعد انہیں ایک ایسے حاکم کی بہت زیادہ احتیاج ہے جو اسلامی تعلیمات کے مطابق ان کے معاملات کا انتظام چلائے۔ بلکہ اتباعِ سنت اور رسول اکرم ﷺ کے نقش قدم پر چلنے کا تقاضا تو یہ ہے کہ تمام مسلمان خود اپنے مابین ایک سیاسی وحدت قائم کریں اور اپنے لیے ایک ایسی مملکت کا قیام عمل میں لائیں جو انہیں مجتمع رکھے اور ایک ایسے شخص کو اس کا سربراہ مقرر کریں جو اقامت دین اور خالص اسلامی رخ پر انتظامِ مملکت چلانے میں رسول اکرم ﷺ کی نیابت کرے‘‘۔ (۱۵)

مقصود یہ ہے کہ رسول مکرم ﷺ کا پہلی اسلامی ریاست کی سربراہی کی ذمہ داری اٹھانا بعض علماء کے نزدیک فرضیتِ امامت کی دلیل ہے‘ بایں طور کہ رسول اکرم ﷺ اپنے قول‘ فعل اور تقریر کے ذریعے شرعی احکام کی وضاحت فرماتے تھے۔ اور ان علماء کی رائے کے مطابق آپؐ کا فعل وجوب پر دلالت کرتا ہے (۱۶)‘ جب وہ:

(۱) آپؐ کے ساتھ مخصوص نہ ہو۔

(۲) جبلی نہ ہو۔

(۳) جبلی اور غیر جبلی کے مابین متردّد نہ ہو۔ (یعنی اس معاملے میں تردّد نہ ہو کہ یہ جبلی ہے یا غیر جبلی)

(۴) کسی مجمل حکم کی تفصیل نہ ہو‘ جیسے چور کا ہاتھ کاٹنا۔

☆ اس سے مراد جدید شریعت کی تبلیغ ہے‘ رہی قرآن وسنت کی تبلیغ تو یہ علماء اُمت پر بالاتفاق واجب ہے۔

اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿وَمَا اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ﴾ (الحشر:۷)

''سو جو چیز تم کو پیغمبر دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں (اس سے) باز رہو.....''

نیز فرمایا:

﴿فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۭ﴾ (الاحزاب:۳۷)

''پھر جب زید نے اس سے (کوئی) حاجت (متعلق) نہ رکھی (یعنی اسے طلاق دے دی) تو ہم نے آپؐ سے اس کا نکاح کر دیا تاکہ مؤمنوں کے لیے ان کے مُنہ بولے بیٹوں کی بیویوں (کے ساتھ نکاح کرنے کے بارے) میں جب وہ ان سے (اپنی) حاجت (متعلق) نہ رکھیں (یعنی طلاق دے دیں)' کچھ تنگی نہ رہے۔''

ابن نجار کہتے ہیں:

''اگر آپ ﷺ کا فعل وجوب کے لیے نہ ہوتا تو آپؐ کا شادی کرنا مسلمانوں سے اس تنگی کو دور نہ کرتا جو انہیں اپنے مُنہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کے بارے میں درپیش تھی''۔(۱۷)

(۳) فرضیتِ امامت پر اجماع سے دلیل

امامت کی فرضیت پر دلالت کرنے والے اہم ترین دلائل میں سے ایک اجماعِ امت بھی ہے۔ اس سلسلے میں سرفہرست صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے کہ انہوں نے رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد تجہیز و تکفین سے بھی پہلے آپؐ کا جانشین مقرر کیا(۱۸)۔ اس کے بارے میں کئی روایات موجود ہیں' جن میں سے ایک سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے جسے امام بخاریؒ نے ''الصحیح'' میں بیان کیا ہے کہ:

''جب رسول کریم ﷺ کی وفات ہوئی تو سیدنا ابوبکرؓ اس زمانے میں مقام سُنَح میں تھے اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کھڑے کہہ رہے تھے: ''اللہ کی قسم' رسول اللہ ﷺ کا انتقال نہیں ہوا''۔ اتنے میں سیدنا صدیق اکبرؓ بھی آ گئے اور رسول اکرم ﷺ کے چہرۂ اقدس سے کپڑا ہٹا کر بوسہ دیا اور فرمایا: ''میرے ماں باپ آپؐ پر قربان' آپؐ زندگی اور موت دونوں حالتوں میں خوش رہے اور رہیں گے۔ قسم ہے اُس خدا کی جس کے قبضۂ قدرت

میں میری جان ہے' اللہ تعالیٰ آپؐ کو دوبارہ موت سے ہمکنار نہ فرمائے گا''۔ اس کے بعد باہر تشریف لائے اور فرمایا: ''او قسم کھانے والے ٹھہر جا' جلدی نہ کر''۔ عمرؓ بیٹھ گئے۔ ابوبکرؓ نے خدائے بزرگ و برتر کی حمد و ثنا کی۔ پھر فرمایا: ''خبردار ہو جاؤ کہ محمد ﷺ کا بلاشبہ انتقال ہو گیا ہے' جو ان کی عبادت کرتا تھا وہ نہ کرے اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا وہ بہرحال کرے کہ وہ تو زندہ ہے' اسے موت نہیں۔ باری تعالیٰ نے فرمادیا ہے:

﴿اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ﴾ (الزُّمر)

''(اے پیغمبرؐ!) آپ بھی فوت ہونے والے ہیں اور وہ بھی مرنے والے ہیں''۔

اور دوسری آیت میں ارشاد ہے:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ﴾ (آل عمران)

''محمد ﷺ صرف رسول ہیں' ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں' اب اگر ان کا انتقال ہو جائے یا وہ شہید ہو جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل (اسلام سے) پھر جاؤ گے؟ جو شخص ایڑیوں کے بل پھر جائے گا وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا' اور شکر گزاروں کو اللہ تعالیٰ عنقریب جزا عطا فرمائے گا''۔

یہ سن کر روتے روتے لوگوں کی ہچکی بندھ گئی اور سیدنا عمرؓ فرمانے لگے: ''اللہ کی قسم' میرے دل میں یہی آتا تھا کہ رسول مکرم ﷺ کا انتقال نہیں ہوا ہے' اور اللہ تعالیٰ ان کو پھر اٹھائے گا اور اُٹھ کر وہ ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالیں گے (جو یہ خیال کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کا انتقال ہو گیا)''۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد انصارؓ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس ساعدہ کی بیٹھک میں جمع ہوئے اور مہاجرین سے کہنے لگے کہ ایک امیر ہم میں سے ہونا چاہیے اور ایک تم میں سے۔ سیدنا صدیق اکبرؓ' سیدنا فاروق اعظمؓ اور سیدنا ابوعبیدہؓ انصار کے پاس گئے۔ سیدنا عمرؓ نے بولنے کا ارادہ کیا لیکن سیدنا ابوبکرؓ نے ان کو خاموش کر دیا اور خود گفتگو کی اور نہایت بلاغت سے کی۔ اثنائے گفتگو میں فرمایا: ''ہم امیر ہوں گے اور تم وزیر ہو گے''۔ سیدنا خباب بن منذرؓ بولے: ''بخدا ہم ایسا نہیں کریں گے بلکہ ایک امیر ہم میں سے ہوگا اور ایک تم میں سے''۔ صدیق اکبرؓ نے فرمایا: ''نہیں! ہم امیر

ہوں گے اور تم وزیر' کیونکہ قریش باعتبار گھرانے کے تمام عرب سے بہتر ہیں اور حسب ونسب میں بھی سب سے معزز ہیں۔ تم عمرؓ یا ابوعبیدہ بن الجراحؓ کی بیعت کرلو'۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا: ''نہیں! ہم آپؓ کی بیعت کریں گے' آپ ہمارے سردار ہیں' ہم سے افضل ہیں اور رسول اکرم ﷺ کے نزدیک سب سے محبوب تھے''۔ یہ کہہ کر عمر فاروقؓ نے ابوبکرؓ کا ہاتھ پکڑ لیا اور ان سے بیعت کر لی۔ دیگر لوگوں نے بھی صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی.....''(۱۹)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ ثابت ہے کہ جب انہیں نبی مکرم ﷺ کی وفات کی محض خبر ملی تو انہوں نے فوراً سقیفہ بنی ساعدہ میں ایک اجتماع منعقد کیا' جس میں کبار مہاجرین وانصار موجود تھے۔ وہ اس وقت کا اہم ترین کام یعنی رسول اکرم ﷺ کی تجہیز وتکفین اور تدفین(۲۰) چھوڑ کر پوری مستعدی کے ساتھ خلافت کے معاملے میں بحث و مشاورت کرنے لگے۔ اگرچہ ابتداءً ان میں یہ اختلاف سامنے آیا کہ بیعت کس کی ہونی چاہیے؟ لیکن اس امر پر وہ سب متفق تھے کہ امام کا ہونا فرض ہے اور کسی ایک صحابیؓ نے بھی یہ نہیں کہا کہ ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ اگلے روز جب مسجد میں بیعت ہوئی تو سقیفہ بنی ساعدہ میں غیر موجود صحابہؓ نے بھی وہاں جمع ہونے والے صحابہؓ کی طے شدہ بات سے اظہارِ اتفاق کیا۔ اس سلسلے میں امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

''سقیفہ بنی ساعدہ میں خلیفہ کی تعیین کے مسئلے میں مہاجرین وانصار کے مابین اختلاف ہو گیا تھا اور انصار نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ: ''ایک امیر ہم میں سے ہوگا اور ایک تم میں سے''، لیکن اس کے بعد صحابہؓ متفق ہو گئے تھے''۔

مزید کہتے ہیں:

''اگر امامت کا فریضہ قریش میں ضروری ہوتا اور نہ غیر قریش میں تو اس مسئلے میں اس بحث ومناظرہ کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ (یہ اس اختلاف کی طرف اشارہ ہے جو صحابہ میں تعیین خلیفہ کے سلسلہ میں ہوا) بلکہ کوئی یہ بھی کہہ سکتا تھا کہ خلافت تو سرے سے واجب ہی نہیں' قریش میں اور نہ غیر قریش میں' لہٰذا اس جھگڑے کا کوئی جواز ہے اور نہ اس کام کا کوئی فائدہ ہے جو واجب ہی نہیں''۔(۲۱)

شہرستانی لکھتے ہیں:

''جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپؓ نے فرمایا:

''خلافت کے معاملے میں باہم مشورہ کرو۔ پھر آپؓ نے سیدنا عمرؓ کے اوصافِ جلیلہ کا ذکر کیا اور خلافت کی ذمہ داری ان کے سپرد کر دی۔ اسی پر معاملہ طے پا گیا اور سیدنا صدیق اکبرؓ یا کسی بھی صحابیؓ کے دل میں یہ خیال تک نہ آیا کہ زمین کا حاکم سے خالی رہنا جائز ہے۔ اس کے بعد جب سیدنا عمر فاروقؓ کا وقتِ موعود قریب آیا تو انہوں نے خلافت کا معاملہ چھ صحابہ کی مجلس شوریٰ کے سپرد کر دیا' جس کا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر اتفاق ہو گیا۔ سیدنا عثمانؓ کے بعد صحابہؓ کا سیدنا علیؓ کی خلافت پر اتفاق ہو گیا۔ یہ تمام صورت حال اس امر کی دلیل ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم' جو کہ اس امت کے ابتدائی ترین دَور میں تھے' سارے کے سارے اس مسئلے پر متفق تھے کہ امام کا ہونا ضروری ہے''۔

اس کے بعد کہتے ہیں:

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس طرح اس امر پر اجماع فرضیتِ امامت کی قطعی دلیل ہے''۔

امام ابن حجر ہیثمیؒ لکھتے ہیں:

''یہ بھی جان لیجیے کہ صحابہ کرامؓ کا اس بات پر اجماع تھا کہ زمانۂ نبوت کے ختم ہونے کے بعد امام کا تقرر فرض ہے' بلکہ ان کے نزدیک یہ اہم ترین واجب تھا' کیونکہ وہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین سے بھی پہلے اس میں لگ گئے تھے''۔ (۲۲)

امام کی فرضیت پر اجماع کا ذکر علماء کی ایک جماعت نے کیا ہے۔ ان میں سے امام الماوردیؒ بھی ہیں' جیسا کہ انہوں نے کہا ہے:

''ایک ایسے شخص کے لیے امامت کا انعقاد جو اس کا انتظام و انصرام چلائے امت پر بالاجماع فرض ہے' اگرچہ اصم نے اس اجماع سے انحراف کیا ہے''۔ (۲۳)

امام یحییٰ بن شرف الدین نوویؒ لکھتے ہیں:

''اہل علم کا اجماع ہے کہ مسلمانوں پر خلیفہ کا تقرر فرض ہے.....'' (۲۴)

ابن خلدون کہتے ہیں:

''امام کا تقرر فرض ہے۔ شرع میں اس کی فرضیت صحابہ و تابعین کے اجماع سے ثابت ہے' کیونکہ اصحاب رسولؐ نے آپؐ کی وفات کے بعد سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی بیعت اور اپنے معاملات ان کے سپرد کرنے میں جلدی کی۔ ہر زمانے میں یہی صورت حال رہی اور اس پر اجماع ہو گیا' جو تقرِر امام کی فرضیت پر دلالت کرتا ہے''۔ (۲۵)

امامت کی فرضیت پر اُمت کے اتفاق کے حوالے سے ابن حزم کا کلام پہلے گزر چکا ہے

اوراس سے صرف انہی لوگوں نے اختلاف کیا ہے جن کی مخالفت کا کوئی اعتبار نہیں۔

(۴) قاعدۂ شرعیہ 'مالا یتم الواجب الابہ فھو واجب' سے استدلال

جن دلائل سے فرضیت امامت ثابت ہوتی ہے' ان میں سے ایک دلیل درج ذیل قاعدۂ شرعیہ بھی ہے:

مَا لَا یَتِمُّ الْوَاجِبُ اِلَّا بِہٖ فَھُوَ وَاجِبٌ

'جس کے بغیر واجب پر عمل نہ ہو سکے' وہ بھی واجب ہے''۔

یہ امر معلوم شدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسے احکامات دیے ہیں جنہیں قائم کرنا لوگوں کے لیے (بغیر حکمران کے) محض انفرادی طور پر ناممکن ہے۔ ان امور میں حدود کا نفاذ' اسلام کی نشر واشاعت کے لیے جہادی لشکر تیار کرنا' اعلائے کلمۃ اللہ' زکوٰۃ کی وصولی اور اس کے مقررہ مصارف میں خرچ کرنا' سرحدوں کا دفاع اور مسلمانوں کی سلطنت کی حفاظت کرنا' قیام عدل اور ظلم کا خاتمہ' لوگوں کے مابین ہونے والے تنازعات کا فیصلہ اور اسی جیسے دوسرے کام شامل ہیں جن پر عمل درآمد کرانا تنہا لوگوں کے بس میں نہیں۔ لہٰذا ایسے اقتدار اور قوت کا ہونا ضروری ہے جسے لوگوں پر حق اطاعت حاصل ہو اور وہ ان واجبات کا نفاذ کرے' بس اقتدار کا نام دراصل امامت ہے۔

بنابریں ایسے حکمران کا تقرر فرض ہے جس کی اطاعت وفرمانبرداری کی جائے اور اسے معاملات کے انتظام وانصرام چلانے کا اختیار حاصل ہو' تاکہ اس کے لیے مذکورہ واجبات کو قائم کرنا ممکن ہو سکے۔ اسی حوالے سے امیر المؤمنین سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

> ''لوگوں کے لیے امامت کا تقرر ضروری ہے' خواہ وہ اچھی ہو یا بری۔ لوگوں نے عرض کیا: امیر المؤمنین! اچھی امامت کی بات تو سمجھ میں آتی ہے لیکن بری کا کیا قصہ ہے؟ فرمایا: اس سے اتنا تو ہو گا کہ حدود قائم کی جائیں گی' راستے محفوظ ہوں گے' اس کی قیادت میں دشمن سے جہاد کیا جائے گا اور مالِ فے کی تقسیم ہو گی''۔ (۲۶)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

> ''یہ جاننا ضروری ہے کہ لوگوں کے معاملات کا انتظام وانصرام دین کے عظیم ترین فرائض میں سے ہے' بلکہ اس کے بغیر اقامت دین ممکن نہیں' کیونکہ لوگوں کے ایک دوسرے کے محتاج ہونے کی بنا پر ان کے مصالح کی تکمیل اجتماعی طور پر ہی ہو سکتی ہے''۔

اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے ابن تیمیہؒ کہتے ہیں:

''کیونکہ اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو فرض کیا ہے جو صرف قوت و حکومت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اسی طرح جہاد، عدل، حج، جمعہ اور عیدین کا انتظام و انصرام، مظلوم کی مدد اور حدود کے نفاذ جیسے فرائض کی ادائیگی بھی اسی صورت میں ہوسکتی ہے جب حکومت اور اقتدار موجود ہو''۔(۲۷)

امام ابن حزمؒ لکھتے ہیں:

''یہ امر عقل کے لازمی اور بدیہی تقاضوں میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں پر اجتماعی نوعیت کے جو احکام فرض کیے ہیں، مثلاً اموال، جرائم، تنازعات، نکاح وطلاق، اسی طرح ظالم کو روکنا، مظلوم کو انصاف دلانا اور لوگوں میں قصاص کے نفاذ جیسے معاملات، ان کو انجام دینا لوگوں کے لیے (بلا امیر کے) ممکن نہیں، کیونکہ ان کے علاقے مختلف، مشاغل جدا جدا اور آراء میں اختلاف ہے۔ اور پرامن معاشرتی زندگی کے قیام کے لیے ان تمام معاملات اور نزاعات میں صحیح فیصلے سے کسی طور پہلوتہی بھی نہیں برتی جاسکتی''۔

اس کے بعد کہتے ہیں:

''یہ بالکل ناگزیر بات ہے اور ان ممالک میں جہاں کوئی سربراہ موجود نہ ہو اس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے کہ وہاں انصاف قائم ہوتا ہے نہ کوئی حد، اور دین کا اکثر حصہ معطل ہوکر رہ جاتا ہے۔ چنانچہ اقامت دین صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب معاملات کی باگ ڈور ایک حکمران یا مجاز اتھارٹی کے سپرد کردی جائے''۔(۲۸)

(جاری ہے)

[نوٹ: اس قسط کے حواشی آئندہ قسط کے ساتھ ملاحظہ کیجیے۔]

حواشی

(۱) ابن حزم، الفصل فی الملل والاهواء والنحل، ۸۷/٤۔

(۲) ابوعبد اللّٰہ محمد بن احمد القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۲٦٤/۱، طبع ثالث، ۱۳۸٦ھ۔ ناشر: دار القلم۔

(۳) تفسیر الطبری، ٤۹۷/۷، تحقیق احمد شاکر۔

(٤) ایضًا، ۵۰۲/۷۔

(۵) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۳۰۳/۲، ناشر: دار الشعب۔

(٦) احمد بن عبدالحلیم ابن تیمیہ، منہاج السنۃ النبویۃ فی نقض الکلام الشیعۃ والقدریۃ، ۱٤۲/۱، ناشر: دارالکتب العلمیۃ، بیروت۔

(۷) مسلم بن حجاج القشیری، صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب الوفاء ببیعۃ الخلفاء۔

(۸) سلیمان بن اشعث السجستانی، سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب :۸۷۔

(۹) احمد بن عبدالحلیم ابن تیمیہ، الحسبۃ، ص ۱۱، طبع اول ۱۹۸٦ء، ناشر: دار الشعب۔

(۱۰) (ا) احمد بن حنبل، مسند احمد، ۲۵۱/۵۔

(ب) ابن حبان، صحیح ابن حبان، حدیث ۲۵۷، ص ۸۷۔

(۱۱) عبد الکریم زیدان، اصول الدعوۃ، ص ۱۹۵، طبع ثالث، ناشر:مکتبۃ المنار الاسلامیۃ۔

(۱۲) ابوعیسٰی محمد بن عیسیٰ الترمذی، سنن الترمذی، کتاب العلم، باب :۱٦۔

(۱۳) ابواسحاق ابراھیم بن موسٰی الشاطبی، الاعتصام، ٤۹/۱، ناشر: المکتبۃ التجاری الکبری، مصر۔

(۱٤) ابن ہشام، سیرت ابن ہشام، ۲۹۳/۱، طبع دوم ۱۳۷۵ھ، ناشر: مصطفی البابی الحلبی مصر۔

(۱۵) الاستاذ عبدالقادر عودة الاسلام واوضاعنا السياسية' ص۱۲۷' مؤسسة الرسالة بيروت۔

(۱۶) مسئلہ ہذا میں علمائے اصول میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک امر کی دلالت وجوب پر ہے' بعض کے نزدیک استحباب پر اور بعض کے نزدیک اباحت پر۔ اہل علم کے ایک گروہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اس سلسلے میں توقف کیا جائے گا۔ مسئلہ کی تفصیل کے لیے دیکھئے: (ا) شرح کوکب المنير از ابن النجارالحنبلی۱۸۹/۲ ' منشورات مركز البحث العلمی' جامعه اُم القری۔ (ب) محمد بن علی الشوکانی' ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول' ص ۳۸۔ (ج) محمد ابوالنور زهير' اصول الفقه ۱۰۷/۳۔

(۱۷) شرح الكوكب المنير ۱۹۰/۲۔

(۱۸) نبی کریم ﷺ کی وفات ۱۲ ربیع الاول بروز پیر ہوئی' جبکہ سورج غروب ہونے کے قریب تھا اور آپؐ کی تدفین' بقول ابن ہشام' بدھ کی رات وسط شب ہوئی۔ دیکھئے سیرت ابن هشام' ٦٦٤/٤۔ نیز الصنعانی' سبل السلام ۱۱۱/۲' دار الفكر۔

(۱۹) محمد بن اسماعيل البخاری' الجامع الصحيح' كتاب مناقب الصحابة' باب قول النبی ﷺ: لَوْ كُنتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا۔

(۲۰) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تدفین رسولؐ سے قبل خلیفہ کے انتخاب اور اس کی بیعت کو ترجیح دینا یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ اہم ترین واجبات میں سے ہے۔ ورنہ اس کام کو رسول اکرم ﷺ کی تدفین پر مقدم کرنا مناسب نہ ہوتا' خصوصاً جبکہ تدفینِ میت میں جلدی کا حکم دیا گیا ہے۔ جیسا کہ سیدنا ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جنازہ کو جلد جلد لے جایا کرو' کیونکہ اگر جنازہ نیک ہے تو خیر کی جانب اس کو قریب کرو اور اگر بد ہے تو شر کو (جلد) اپنے کندھوں سے اُتار دو گے''۔ (صحيح البخاری' كتاب الجنائز' باب السرعة بالجنازة)
اس حدیث کا ظاہر تو اگرچہ جنازے کو لے کر چلنے میں جلدی کے بارے میں ہے لیکن یہ عام ہے۔ ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ سیدنا طلحہ بن براءؓ بیمار ہوئے تو نبی اکرم ﷺ ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے تو فرمایا مجھے معلوم ہوتا ہے کہ طلحہ کی موت کا وقت قریب آن پہنچا ہے چنانچہ مجھے اطلاع دے دینا اور جلدی کرنا' کیونکہ مسلمان کی میت کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اپنے اہل خانہ میں زیادہ دیر تک پڑی رہے۔ (سنن ابی داؤد' كتاب الجنائز' باب تعجيل الجنازة و كراهية حبسها) لیکن یہ روایت کمزور ہے دیکھئے: عون المعبود از شمس الحق عظیم آبادی ۳٦/۸۔٤۳٥۔

(۲۱) القرطبی' الجامع لاحكام القرآن' ۲٦٤/۱' طبع ثالث ۱۳۸٦ھ' ناشر: دار القلم۔

1

جدید دنیائے اسلام

قسط وار سلسلہ (42)

تُرکی (10)

(TURKEY)

تحقیق وتحریر: سید قاسم محمود

حالاتِ حاضرہ

اکتوبر 1973ء کے عام انتخابات اس لحاظ سے بہت اہم تھے کہ اس کے نتیجے میں نجم الدین اربکان کی قیادت میں ایک نئی سیاسی جماعت ''ملی سلامت پارٹی'' ترکی کی سیاست میں اُبھری۔ نجم الدین پیشے کے لحاظ سے سلیمان دیمریل کی طرح انجینئر تھے۔ وہ 1966ء میں ترکی کے ایوان ہائے صنعت و تجارت کے جنرل سیکرٹری اور 1969ء میں صدر منتخب ہوئے۔ 1969ء سے انہوں نے سیاست میں حصہ لینا شروع کیا اور قونیہ سے مجلس کبیر ملی (پارلیمنٹ) کے آزاد رکن منتخب ہوئے۔ 26 جنوری 1970ء کو انہوں نے ''ملی نظام پارٹی'' قائم کی۔ یہ پارٹی واضح مذہبی رجحان رکھنے کی وجہ سے 20 مئی 1971ء کو خلافِ آئین قرار دے دی گئی۔ الزام یہ تھا کہ پارٹی کے سالانہ اجتماع میں مقررین نے خلافت اور شریعت کے نفاذ پر بہت زیادہ زور دیا۔

تین سال کے بعد نجم الدین اربکان نے 1973ء کے اوائل میں ''ملی سلامت پارٹی'' کے نام سے دوسری جماعت قائم کی اور اکتوبر میں اس کے صدر منتخب ہوئے۔ اسی ماہ ملی سلامت پارٹی قومی اسمبلی کی 48 نشستیں حاصل کر کے تیسری بڑی پارلیمانی پارٹی بن گئی۔ جنوری 1974ء میں جب خلق پارٹی اور ملی سلامت پارٹی نے حکومت بنائی تو نجم الدین اربکان اس میں نائب وزیراعظم مقرر ہوئے' لیکن ستمبر 1974ء میں یہ مخلوط حکومت ختم ہوگئی۔ اپریل 1975ء میں جب سلیمان دیمریل نے نئی مخلوط حکومت بنائی تو نجم الدین اربکان اس میں بھی نائب وزیراعظم مقرر ہوئے اور جون 1977ء کے انتخابات تک وہ اس عہدے پر فائز رہے۔

1950ء میں ترکی میں ''ڈیموکریٹک پارٹی'' کے دورِ اقتدار میں جمہوریت یقیناً بحال ہوئی اور مذہبی سرگرمیوں کا آغاز ہوا' لیکن اس پارٹی کے رہنما واضح اسلامی شعور رکھتے تھے نہ اسلامی اغراض ومقاصد۔ عدالت پارٹی نے ڈیموکریٹک پارٹی ہی کی حکمت عملی کو آگے بڑھایا اور ریاست اور مذہب کے تعلق کو زیادہ اچھی طرح واضح کیا' لیکن صحیح اسلامی فکر کی کمی یا سیکولرازم کی آئینی دفعہ سے مجبور ہوکر عدالت پارٹی بھی اس معاملے میں کوئی خاص تبدیلی نہ لاسکی۔ نجم الدین اربکان اور ان کی ملی سلامت پارٹی پچھلی تمام پارٹیوں کے مقابلے میں زیادہ واضح اسلامی شعور اور نصب العین رکھتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب ملی سلامت پارٹی نے خلق پارٹی کے ساتھ مل کر' جو سیکولرازم کی سب سے بڑی علمبردار ہے' مخلوط حکومت بنائی تو دنیا کو تعجب ہوا کہ ایک مذہبی پارٹی ایک سیکولر پارٹی سے کیونکر اتحاد کرسکتی ہے۔ اس فیصلے پر دونوں طرف سے تنقید بھی ہوئی۔ چنانچہ یہ مخلوط حکومت چند ماہ سے زیادہ نہ چل سکی اور ملی سلامت پارٹی نے عدالت پارٹی کی طرف تعاون کا ہاتھ بڑھایا جو نظریاتی طور پر اس سے قریب تر تھی۔ اس مخلوط حکومت میں دائیں بازو کی دو اور جماعتیں بھی شامل تھیں' یعنی ملی حرکت پارٹی اور جمہوریت پسند اعتماد پارٹی۔

مخلوط حکومت کے دَور کا ایک اہم واقعہ یہ ہے کہ قبرص کی نیشنل گارڈ نے قبرص کے صدر آرچ بشپ میکاریوس کا تختہ پلٹ دیا۔ ترک فوج قبرص میں داخل ہوجاتی ہے اور قبرص کے یونانی باشندوں کا مقابلہ کرتی ہے۔ اقوام متحدہ کے تحت سیز فائر ہوتا ہے۔ قبرص میں امن مذاکرات کی سست رفتاری کا بہانہ بنا کر امریکہ ترکی کی فوجی امداد بند کر دیتا ہے۔ اس کے ردِّعمل کے طور پر ترکی نیٹو کے ایک اڈے کے سوا امریکہ کی تمام تنصیبات پر قبضہ کر لیتا ہے۔

مخلوط حکومت کے دور کا ایک اور اہم کارنامہ استنبول میں مئی 1976ء میں اسلامی وزرائے خارجہ کی کانفرنس کا انعقاد ہے۔ اس کانفرنس سے پہلے کسی بھی ایسی کانفرنس میں' جو اسلام یا مسلمانوں کے نام پر بلائی گئی ہو' ترکی کی حکومت شرکت کرنے کی جرأت نہیں کرسکتی تھی' کیونکہ ایسی شرکت کو سیکولرازم کے اصولوں اور آئینی دفعات کی خلاف ورزی سمجھا جاتا تھا۔ ستمبر 1969ء میں عدالت پارٹی کی حکومت نے رباط (مراکش) میں ہونے والی اسلامی سربراہی کانفرنس میں پہلی مرتبہ اپنا مندوب بھیجا تھا تو سیکولر عناصر نے اس اقدام پر بڑی سخت تنقید کی تھی۔ فروری 1974ء میں لاہور میں ہونے والی اسلامی سربراہی کانفرنس میں بھی' تنقید کے باوجود' ترکی مندوب نے شرکت کی۔ لیکن اس ضمن میں ترکی نے انقلابی قدم 1976ء میں اُس وقت اٹھایا جب اسلامی وزرائے خارجہ کا اجلاس استنبول میں طلب کیا گیا اور 11 رمئی 1976ء کو خود وزیراعظم سلیمان دیمریل نے کانفرنس کا افتتاح کیا۔ اس موقع پر ترکی نے اسلامی کانفرنس کے منشور پر دستخط کیے اور کانفرنس کا باضابطہ رکن بن کر نہ صرف اسلامی برادری میں شامل ہونے کا سرکاری اعلان کیا' بلکہ کانفرنس کی کارروائیوں میں سرگرمی

سے حصہ لیا۔

اس موقع پر ترکی میں عوام نے بڑے جوش وخروش کا مظاہرہ کیا۔ ترکی کے اخباروں نے لکھا کہ استنبول ایک بار پھر اسلام کا قلب بن رہا ہے۔ نائب وزیراعظم نجم الدین اربکان نے 14 رمئی کو توپ کاپی کے تاریخی محل میں اسلامی کانفرنس کے مندوبین کے اعزاز میں جب عشائیہ دیا تو ملی سلامت پارٹی کے ہزارہا ارکان محل کے سامنے ''اسلام زندہ باد'' کے نعرے لگا رہے تھے۔ جب سے مصطفیٰ کمال نے خلافتِ عثمانیہ کے خاتمے کا اعلان کیا تھا' یہ پہلا موقع تھا کہ اسلام کے حق میں اس طرح کھلم کھلا اور بڑا مظاہرہ کیا گیا۔ نجم الدین اربکان نے اپنی تقریر میں کشمیر اور ترکستان سمیت اسلامی دنیا کے تمام مسائل پر مسلمانوں کے موقف کی تائید کی اور فلسطینی عربوں کی حمایت کرتے ہوئے کہا کہ بیت المقدس ایک اسلامی شہر ہے اور اِن شاءاللہ ایک دن حملہ آوروں سے واپس لے لیا جائے گا۔ جون 1977ء میں دوسری بین الاقوامی سیرت کانفرنس استنبول میں منعقد ہوئی۔ یہ بھی ترکی کے بدلتے ہوئے اسلامی مزاج کی عکاسی سمجھی گئی۔

اس مخلوط حکومت کے دو برسوں میں ترکی عربوں کے بھی بہت قریب آ گیا۔ 1976ء میں لیبیا سے باہمی تعاون کا ایک بڑا معاہدہ ہوا۔ مارچ 1977ء میں معاہدہ ازمیر پر دستخط کیے گئے جس کا بڑا مقصد ایران' پاکستان اور ترکی کے درمیان علاقائی تعاون برائے ترقی (آر سی ڈی) کو اور زیادہ مؤثر بنانا تھا۔ ترکی کے اسلامی دنیا سے قریب آنے کی وجہ اگرچہ نظریات وعقائد کی ہم آہنگی بھی ہے' لیکن ایک اور وجہ یہ ہے کہ قبرص کے مسئلے پر مغربی دنیا کے معاندانہ طرزِعمل نے ترکوں کو مغرب سے مایوس کر دیا ہے اور اُن کو پہلی مرتبہ احساس ہوا ہے کہ ترکی کے حقیقی اور مخلص دوست صرف مسلمان ہو سکتے ہیں۔ دنیائے اسلام سے قریب آنے کی تیسری وجہ اُس وقت اشتراکیت کا بڑھتا ہوا خطرہ بھی تھا' جس کا مقابلہ اسلام کو تقویت دے کر ہی کیا جا سکتا تھا۔ اسی وجہ سے فوجی افسروں کا طرزِعمل بھی بدل گیا اور وہ مذہب کے شدت سے مخالف نہیں رہے۔ چنانچہ 1976ء کے وسط میں چیف آف سٹاف کے حکم کے تحت فوجیوں کے لیے دینی تعلیم لازمی قرار دے دی گئی۔

نجم الدین اربکان نے اپنی تصنیف ''قومی نقطۂ نظر'' میں اپنے خیالات کا بڑی جرأت سے اظہار کیا ہے۔ وہ قیام جمہوریت کے بعد پہلے وزیر ہیں' جنہوں نے اپنی کتاب میں قرآن وحدیث کے حوالے دیے ہیں' سیکولرازم پر تنقید کی ہے اور اس بات پر زور دیا ہے کہ ترک اُمت مسلمہ کا حصہ ہیں۔ انہوں نے دینی تعلیم اور اخلاقی تربیت پر زور دینے کے علاوہ مادہ پرستانہ نظریات اور اشتراکیت کی شدت سے مخالفت کی ہے اور ترکوں کو مغربی اور غیر اسلامی افکار سے نجات دلانے کے عزم کا اظہار کیا ہے۔ وہ یورپی یونین میں ترکی کی شمولیت کے خلاف ہیں اور اسلامی ممالک کی علیحدہ مشترکہ منڈی کے قیام سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ انہوں نے ترکی کو سودی نظام سے نجات دلانے کا عزم

بھی ظاہر کیا ہے۔ وہ اشتراکی سامراج اور مغربی سامراج دونوں کے شدت سے مخالف ہیں اور عربوں کے موقف کے پُرزور حامی ہیں۔

1977ء کے عام انتخابات

ترکی میں 1977ء کے انتخابات اکتوبر کی بجائے جون میں منعقد ہوئے۔ انتخابات قبل از وقت کرانے کے فیصلے کی ''ملی سلامت پارٹی'' نے سخت مخالفت کی اور اس کو نجم الدین اربکان نے ملی سلامت پارٹی کے خلاف ایک سازش قرار دیا۔ انتخابات کے دوران دوسری بڑی جماعتوں نے بھی اسلام کا نام استعمال کیا' حتیٰ کہ خلق پارٹی نے بھی علماء کے طبقے سے امیدوار کھڑے کیے۔ سلیمان دیمریل نے کہا کہ عدالت پارٹی کو اقتدار میں لا کر ہی ان عناصر کے خلاف سخت کارروائی کی جا سکتی ہے جو ہماری روحانی اور دینی اقدار اور ہمارے مذہب کے دشمن ہیں۔ انتخابات کے نتیجے میں صورتِ حال یہ ہوئی کہ کسی ایک پارٹی کی اکثریت نہ ہونے کی وجہ سے صرف مخلوط حکومت ہی بن سکتی تھی۔ سب سے پہلے صدر نے بلند ایجویت سے حکومت بنانے کے لیے کہا جو سب سے بڑی پارٹی (خلق پارٹی) کے رہنما تھے' لیکن جب اسمبلی میں عدم اعتماد کی تحریک میں انہیں شکست ہوتی ہے تو ایجویت وزارتِ عظمیٰ سے استعفاء دے دیتے ہیں۔ اب سلیمان دیمریل نے عدالت پارٹی' ملی سلامت پارٹی اور ملی حرکت پارٹی کی مخلوط حکومت بنائی۔ نجم الدین اربکان نائب وزیراعظم مقرر ہوئے۔ اس مخلوط حکومت نے جو مشترکہ پروگرام بنایا' اُس کے خاص خاص نکات یہ تھے:

(1) آزاد جمہوری نظام کی حمایت اور فسطائیت اور اشتراکیت کی مخالفت کی جائے گی۔

(2) خارجی نظریات اور مادہ پرستانہ نظریات سے ترک معاشرے کو بچایا جائے گا۔

(3) قانون تعزیراتِ ہند کی دفعہ 163 پر نظر ثانی کی جائے گی' تاکہ لوگوں کو مذہب پر آزادانہ عمل کرنے کا موقع ملے (اس دفعہ کی تنگ نظری سے تعبیر وتشریح کر کے مذہب کے مخالف عناصر اس کو مذہبی سرگرمیوں کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے بطور آلۂ کار استعمال کرتے رہے ہیں۔)

(4) ریڈیو' ٹیلی ویژن اور دوسرے ذرائع ابلاغ کو اس طرح استعمال کیا جائے گا کہ عوام کی قومی' اخلاقی' مذہبی اور روحانی اقدار کو نقصان نہ پہنچے۔

(5) تعلیم کو بیرونی نظریات اور تقلیدی رجحانات سے پاک کیا جائے گا۔

(6) امام' خطیب اور مدرسوں کے فارغ التحصیل طلبہ کو یونیورسٹیوں میں داخلے کے یکساں مواقع دیے جائیں گے' اور ابتدائی مدرسوں میں ان کو مذہب اور اخلاق کی تعلیم و تربیت کے لیے سرکاری ملازمت دی جائے گی۔

(7) اعلیٰ اسلامی تعلیم کے اداروں کو سائنس اکیڈمی میں تبدیل کیا جائے گا۔

(8) سود سے پاک قرضوں کا نظام قائم کیا جائے گا۔

اس مشترکہ پروگرام میں بھاری صنعتوں کے فروغ' افراطِ زر کی روک تھام' اسلحہ سازی میں ترکی کو خود کفیل بنانے' قبرص کے ترکوں کے حقوق اور سلامتی کے تحفظ کے عزم کا بھی اظہار کیا گیا۔لیکن یہ مخلوط حکومت بھی صرف پانچ ماہ قائم رہ سکی۔ بلند ایجویت پھر وزارتِ عظمیٰ کا عہدہ سنبھالتے ہیں۔ امریکی کانگریس صدر جمی کارٹر کو اختیار دیتی ہے کہ وہ چاہیں تو ترکی کو اسلحہ فروخت کرنے کی پابندی ہٹا سکتے ہیں۔صدر کارٹر پابندی ہٹا دیتے ہیں۔ترکی امریکی اڈے کھول دیتا ہے۔

1979ء۔ بلند ایجویت کی پارٹی مقامی بلدیات کے الیکشن میں ہار جاتی ہے۔سلیمان دیمریل نئی مخلوط حکومت بناتے ہیں۔انتشار اور افراتفری کا آغاز ہوتا ہے۔اُنیس صوبوں میں مارشل لاء لگا یا دیا جاتا ہے۔

1980ء۔سیاسی تشدد اور ہنگامہ آرائی عروج پر پہنچ جاتے ہیں۔مقبول و مشہور رہنماؤں کو قتل کر دیا جاتا ہے۔چنانچہ 12/اکتوبر کو جنرل کنعان ایورن مارشل لاء نافذ کر کے اقتدار سنبھالتے ہیں۔ نئی کابینہ بنا کر بلند اولوسو کو وزیراعظم مقرر رہوتے ہیں۔

1981ء۔ مارشل لاء کی سخت کارروائی کے باعث سیاسی تشدد ختم ہو جاتا ہے۔ جنرل کنعان اعلان کرتے ہیں کہ جمہوریت کی بحالی سے پہلے نیا آئین بنے گا' جو نئی آئین ساز اسمبلی بنائے گی۔ 1982ء میں نیا آئین نافذ ہوتا ہے۔

1983ء۔ نئے آئین کے تحت نومبر میں عام انتخابات ہوئے۔ مارشل لاء نے صرف تین سیاسی جماعتوں کو عام انتخابات میں حصہ لینے کی اجازت دی تھی۔ بلند ایجویت کی ری پبلکن پارٹی' سوشل ڈیموکریسی پارٹی اور سلیمان دیمریل کی ٹروتھ پارٹی کو انتخابات سے باہر رکھا گیا۔ وزیراعظم ترگت اوزال کی مدر لینڈ پارٹی نے 45 فی صد ووٹ حاصل کیے۔

2002ء۔نومبر میں پارلیمانی انتخابات ہوئے جو نئی سیاسی جماعت ''جسٹس اینڈ ڈویلپمنٹ پارٹی'' نے جیت لیے۔تاہم مذہبی جذبات اور ایجنڈا رکھنے کے باعث اس کے رہنما طیب اردگان کو فوج نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔تاہم بعد میں مفاہمت ہوگئی اور طیب اردگان ترکی کے نئے وزیراعظم بن گئے۔

2003ء۔ مارچ میں ترکی کی پارلیمنٹ نے امریکہ کو اپنے ملک کے ہوائی اڈے استعمال کرنے کا بل مسترد کر دیا۔اس پر امریکہ اور ترکی کے تعلقات سخت خراب ہوگئے۔امریکہ کو عراق پر حملہ کرنے کی غرض سے فوجی اڈوں کی ضرورت تھی۔ایک جائزے سے پتا چلا کہ 90 فی صد ترک امریکی حملے کے خلاف تھے۔

ترکی کے دو بڑے مسئلے ہیں۔ایک ''یورپی یونین'' کی رکنیت حاصل کرنا اور دوسرے کردوں کا مسئلہ۔کردوں کی آبادی 20 فیصد ہے اور وہ ترکی کے جنوب مشرقی علاقے میں آباد ہیں' لیکن ترکی

کردوں کو اقلیت تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ کردوں اور اُن کی تہذیب وثقافت کو دبانے کی کوشش ہوتی رہی ہے۔ اس پر 1984ء میں عبداللہ اوکلان کی قیادت میں ''کردستان ورکرز پارٹی'' (پی کے کے) وجود میں آئی۔ یہ گوریلا تنظیم ہے۔ مارچ 1995ء میں ترک فوج کرد چھاپہ مار گوریلوں کے ٹھکانوں پر حملہ کرنے کے لیے شمالی عراق میں داخل ہوئی۔ دو سال کے اندر اندر 35 ہزار سے زیادہ کرد مارے گئے۔ 6 فروری 1999ء کو کردوں کے رہنما عبداللہ اوکلان کو گرفتار کیا گیا۔ اس پر مقدمہ چلایا گیا اور موت کی سزا دی گئی۔

ترکی اپنی اقتصادی اور جغرافیائی حالت کی وجہ سے ''یورپی یونین'' میں شامل ہونے پر مجبور ہے، لیکن ''یورپی یونین'' نے اُسے رکنیت دینے کے لیے اس پر چند شرائط عائد کر رکھی ہیں، جن کو پورا کرنے کے لیے وسیع پیمانے پر قانونی اور انتظامی اصلاحات کی جارہی ہیں، مثلاً سیاست میں فوج کا عمل دخل کم کرنا، کردوں کو زیادہ آزادی دینا اور پھانسی کی سزا ختم کرنا۔

[نوٹ: اس سلسلۂ مضامین کے تحت ترکی کا تذکرہ ختم ہوا جو چند ابواب پر اس لیے پھیل گیا کہ ترکی کو عالمِ اسلام میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ یہ خلافتِ عثمانیہ کا مرکز رہا ہے۔ آئندہ باب ''تنزانیہ'' کے لیے وقف ہوگا]